مسیحؑ کی زندگی اور وفات کے متعلق
حیرت انگیز انکشافات

مسیحؑ کشمیر میں فوت ہوئے

از

اندریاس فابر قیصر، سپین

ترجمہ و تلخیص:
ناصر احمد
بی اے، ایل ایل بی

شائع کردہ:
اورینٹل پبلشرز، مانچسٹر (انگلستان)

فہرست مضامین

کتاب میں مذکورہ نقشہ جات اور خاکوں کی فہرست

فہرست تصاویر

طبع اوّل ۱۹۸۶ء

اِنتساب

میں اس کتاب کو
اپنے محبوب بھائی اقبال احمد
اور
اپنی پیاری رفیقہ حیات سلمٰی
کے نام معنون کرتا ہوں
انہوں نے مجھے صداقت کی
نشر و اشاعت کے شوق کو اپنے
بھرپور خلوص سے نکھارا
خدا تعالیٰ انہیں ہمیشہ اپنے رحمتوں سے نوازتا رہے۔

مُصنّف کا تعارف

"مسیح کشمیر میں فوت ہوئے" کے جرمن نژاد مصنف انڈریاس فابر قیصر بارسلونا، سپین میں ۱۹۴۴ء میں پیدا ہوئے۔ اُنہوں نے بارسلونا یونیورسٹی سے فلسفہ اور جدید زبانوں میں ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۷۲ء میں انہیں خلائی سفر سے متعلق سائنسی تحقیقات کی ترویج اور اشاعت کے سلسلہ میں خدمات کے اعتراف کے طور پر قومی ایوارڈ "جولیو ماریل" عطا کیا گیا۔ ۱۹۷۶ء میں انہوں نے ہسپانوی زبان میں "منڈو ڈیس کونوسیڈو" (یعنی نامعلوم دنیا) کے نام سے رسالہ جاری کیا جس میں زیادہ تر جدید سائنس کی تحقیقات اور انسانی زندگی پر ان کے اثرات سے متعلق مضامین شائع کیے جاتے ہیں۔ فابر قیصر کا یہ رسالہ جو اب بین الاقوامی شہرت حاصل کر چکا ہے، ڈائریکٹر اور مالک ہیں۔

ابتک ان کی ذیل کی کتب شائع ہو چکی ہیں، جن کے ہسپانوی زبان کے علاوہ دیگر زبانوں میں تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں:

1 "ساسرڈ ڈ ٹیز او کوس مونوٹاس"
(یعنی عیسائی مبلّغ یا خلائی مسافر) اس کے تراجم پرتگیزی، برازیلی اور میکسیکن زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔

2 "کوس موس۔ کرونولوخیا خینیرل دی لا ادسٹرونوٹیکا" (یعنی کائنات اور خلائی سفر سے متعلق تاریخ وار سلسلۂ واقعات)

3 - گرینڈ یس میسٹیریوس ڈی لا تیرا دی ڈیل سی ایلو (یعنی زمین اور آسمان کے حیرت انگیز سربستہ راز) اس کا میکسیکن زبان میں ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

4 خیسوس ویویو ای مو ریو ان کشمیرا (یعنی مسیح نے کشمیر میں زندگی گذاری اور فوت ہوئے۔)

اس کتاب کے بھی انگریزی، فرانسیسی، اطالوی اور پرتگیزی زبانوں میں تراجم شائع ہو چکے ہیں۔

ان کتب کے علاوہ مصنف کے مضامین سپین اور لاطینی امریکہ کے اخبارات اور رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

دیباچہ

"زندہ کو مُردوں میں کیوں ڈھونڈتی ہو"

(لوقا - ۲۴ : ۵)

مسیح جمعہ کے دن دوپہر کے وقت صلیب پر چڑھائے گئے اور اُسی دن غروبِ آفتاب سے پیشتر ہی ان کے جسم کو صلیب پر سے اُتار لیا گیا اور یوسف ارمتھیا کی پہلے سے تیار کردہ ایک کشادہ پتھریلی غار نما قبر میں رکھ دیا گیا اور غار کے مُنہ کو بھاری پتھر سے بند کر دیا گیا۔ اتوار کو ان کا جسدِ عنصری قبر سے غائب تھا۔ بائبل کی پیشگوئی پوری ہو گئی۔ حضرت مسیح مر کر جی اُٹھے تھے۔ اس سرزمین پر کچھ دیر کے لیے اپنے شاگردوں کے ساتھ ٹھہرے، پھر آسمان کی طرف چلے گئے اور خداوند کے دائیں جانب جا بیٹھے۔

یہی چند الفاظ اہلِ کلیسیا کا مسلّمہ عقیدہ ہیں، مگر یہ داستان یہاں پر مکمل نہیں ہوتی، کیونکہ حضرت مسیحؑ کا جسدِ خاکی کشمیر کے دارالخلافہ سرینگر کے محلّہ خانیار میں روضہ بَل کے تہ خانے میں محوِ استراحت ہے۔

حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھانے، ان کی وفات اور پھر جی اُٹھنے سے متعلق بائبل کی باتیں تسلیم کرنا ممکنات میں سے نہیں، کیونکہ حقیقتاً اس بات کا کوئی تاریخی ثبوت موجود نہیں کہ حضرت مسیح واقعی صلیب پر وفات پا گئے تھے اور نہ ہی کسی ایسے عینی گواہ کا پتا چلتا ہے جس نے انہیں دوبارہ جی اٹھتے دیکھا ہو جبکہ اس امر کے قابلِ ذکر شواہد موجود ہیں کہ حضرت مسیح کی سی صورت کا ایک شخص جس کے خیالات اور فلسفہ زندگی وہی تھا اسی زمانہ میں مشرق کی جانب روانہ ہوا اور اپنے پیچھے اپنی زندگی کے حالات اور کارنامے چھوڑ گیا اور یہ شخص مختلف جگہوں سے ہوتا ہوا کشمیر پہنچا، وہیں رہا اور وہیں فوت ہوا۔

اِن شواہد کے تار و پود ہی اس کتاب کی بنیاد ہیں، جو مَیں پیش کر رہا ہوں۔ یعنی یہ کہ مسیحؑ صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔ جب ان کے صلیبی زخم ٹھیک ہو گئے، تو وہ مشرق کی جانب بنی اسرائیل کے دس گمشدہ قبائل کی تلاش میں سفر پر روانہ ہوئے جو فلسطین سے ہزاروں میل دُور مشرق میں رہتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ وہ فلسطین سے اپنی والدہ مریم اور شاگرد توما کے ساتھ اس طویل

مشرقی سفر پر روانہ ہوئے جو کشمیر تک اُن کے ہمراہ رہے، جس کو "جنتِ ارضی" بھی کہا جاتا ہے حضرت مریمؑ سفر کی صعوبتیں برداشت نہ کر سکیں اور کشمیر کی سرحد کے قریب پاکستان میں وفات پا گئیں، جہاں آج بھی ان کی قبر مسیحؑ کی والدہ کے مزار کے نام سے مشہور ہے اور یہ جگہ بیحد تکریم اور احترام کی جگہ سمجھی جاتی ہے۔ حضرت مسیحؑ نے کشمیر میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ نئے سرے سے زندگی کا آغاز کیا اور آخر کار کافی طبعی عمر کو پہنچ کر فوت ہوئے، جب حضرت مسیحؑ فوت ہوئے تو توما ان کے پاس تھا۔ اس کے بعد وہ حضرت مریمؑ کی قبر کی زیارت کی غرض سے واپس لوٹا اور پھر اس نے جنوبی ہندوستان کی طرف سفر اختیار کیا اور وہیں کہیں فوت ہوا۔

متعدد تاریخی کہانیوں، روایات اور قدیم دستاویزات سے پتہ چلتا ہے کہ مسیحؑ فلسطین سے کشمیر آئے اور یہیں فوت ہوئے۔ ان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ نے یہاں شادی کی اور اس سے ان کے اولاد ہوئی۔ صاحبزادہ بشارت سلیم سرینگر میں زندہ موجود ہیں جن کے پاس اپنا شجرۂ نسب موجود ہے، جو ثابت کرتا ہے کہ وہ مسیحؑ کی نسل سے ہیں۔

اس بات کی بھی شہادت ملتی ہے کہ مسیحؑ جوانی کے عالم میں کشمیر آئے؛ جبکہ بائبل میں تو صرف اتنا ذکر ہی آتا ہے کہ مسیحؑ بارہ سال کی عمر میں فلسطین گئے۔ گذشتہ صدی کے آخر میں روسی سیاح نکولائی نوٹووچ کو کشمیر اور تبت کی سرحد کے قریب ہمس کے بدھ راہب خانہ سے جو لداخ میں ہے کچھ قدیم دستاویزات کی نقول ملیں۔ یہ وہ قدیم مسوّدات ہیں جو ہمالیہ کے بدھ لاموں نے صدیوں سے محفوظ رکھے ہوئے تھے۔ ان میں مسیحؑ کے ابتدائی سفر ہندوستان کا ذکر موجود ہے اور ان کی زندگی کے اُن اٹھارہ سالوں کے حالات درج ہیں، جن کے متعلق بائبل بالکل خاموش ہے۔ اگر ہم مسیحؑ کی زندگی کے متعلق بائبل کی تفصیلات کو ہی صحیح مان لیں، تو اس درمیانی لمبے عرصہ کے خلا کی وجہ سے ہم سخت شکوک و شبہات سے دوچار ہوتے ہیں کہ کیا وہ بچّہ جس کا بائبل میں ذکر ہے اور مسیحؑ ایک ہی شخص ہیں۔

عہد نامہ جدید اور عہد نامہ قدیم دونوں کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں دُرج واقعات کا تعلق کشمیر سے رہا ہے۔ جھیل وولر کے نزدیک پہاڑوں میں یہودیوں کی چھوٹی سی جماعت رہتی ہے، جن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اپنے آبائی راہنما موسیٰؑ کے مزار کے گذشتہ ساڑھے تین ہزار سال سے نگران چلے آ رہے ہیں۔

اس روایت سے بھی ہمیں بائبل میں بیان کردہ اس خلا کو پُر کرنے میں مدد ملتی ہے جس کے متعلق باب استثناء یہ کہتا ہے کہ کوئی بھی ٹھیک طور پر نہیں جانتا کہ حضرت موسیٰؑ کہاں دفن کیے گئے۔ مزید

یہ کہ وہ مقامات جن کا ذکر بائبل میں حضرت موسیٰؑ کی وفات کے سلسلہ میں آتا ہے فلسطین کے علاقہ میں اُن مقامات کا قطعی نشان نہیں ملتا؛ البتہ یہ نام کشمیر میں حضرت موسیٰؑ کے مزار کے قریب کے علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔

اسی طرح کشمیر میں بہت سے ایسے مقامات ہیں جن کے ناموں میں موسیٰؑ اور مسیحؑ کے نام آتے ہیں۔ ان سے بھی اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ موسیٰؑ اور مسیحؑ اس جگہ آئے تھے۔

اس میں کوئی نئی بات نہیں ہے کیونکہ فارسی اور کشمیری زبان کی تاریخی کُتب اور کشمیری روایات میں ان کا ذکر پہلے سے موجود ہے اور مسلمانوں کا ایک فرقہ (احمدیہ) جس کی ابتداء گذشتہ صدی کے آخر میں ہوئی اس نے سرینگر میں مسیحؑ کی قبر کے معاملہ میں خصوصی دلچسپی لی اور مسیح کے کشمیر سے تعلق کے بارہ میں بہت سی کُتب شائع کی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک ممتاز ماہر آثار قدیمہ پروفیسر فدا حسنین جو ریاست کشمیر کی حکومت کے تحت سرکاری ریکارڈ، لائبریریوں اور قدیم تاریخی عمارات کے ڈائریکٹر ہیں انہوں نے اس سلسلہ میں گہری تحقیق کی ہے اور ان کی تحقیق ابھی جاری ہے۔ وہ اس علاقہ سے حضرت موسیٰؑ کے تعلق کے بارہ میں بھی مزید تحقیق کر رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں بیشتر کتب اور تحقیقی نتائج کے باوجود عوام کا بڑا طبقہ ان اُمور کے متعلق کوئی علم نہیں رکھتا؛ مَیں محسوس کرتا ہوں کہ اب وقت آگیا ہے کہ دُنیا کو بڑے پیمانے پر یہ بتایا جائے کہ یہی اغلب ہے کہ مسیحؑ صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے فلسطین سے مشرق کی طرف سفر اختیار کیا اور کشمیر میں بنی اسرائیل کے گمشدہ قبائل میں رُشد و ہدایت کا کام کرنے کے بعد ایک لمبی عمر پائی اور طبعی عمر کو پہنچ کر اس دُنیا سے رُخصت ہوئے۔

آئندہ صفحات میں خلاصہ کے طور پر مسیحؑ کی "دُوسری زندگی" یعنی صلیب سے بچ جانے کے بعد کے حالات اور یہ امکانات کہ مُوسیٰؑ بھی کشمیر میں فوت ہوئے سے متعلق تمام دستاویزی اور دیگر شواہد کو یکجا صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ کتاب ایک لحاظ سے مقدس اناجیل کی کئی نامکمل تفصیلات کو مکمل کرنے کی غرض سے واقعاتی رنگ میں منطقی تشریحات اور وضاحتیں فراہم کرتی ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ یسوع، یوزا، یوز آصف، عیسیٰ، عیسانہ اور عیسیٰ کے نام جن کا ذکر کشمیر اور مشرقی علوم کی کتب، دستاویزات اور روایات میں آتا ہے یہ تمام نام یسوع کے ہی مقامی مترادفات ہیں۔ میں نے ان مختلف ناموں کا ترجمہ یسوع ہی کیا ہے۔ حرفی اضافے جیسے یوز، ایش یا عیش سے

بھی ایسوع ہی مراد ہیں۔ مُوسیٰؑ بھی عربی نام ہے جو کشمیر میں کافی عام ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ ابتدا میں ہی اس امر کی واشگاف الفاظ میں وضاحت کر دوں کہ اس کتاب کے مندرجات کسی طرح بھی احمدیہ نظریات سے متاثر نہیں ہیں۔ یہ خالصتاً میری ان ذاتی کوششوں اور تحقیق کا نتیجہ ہے جن پر میں حضرت مسیحؑ کی سربستہ زندگی کے مختلف پہلوؤں سے متعلق واقعات کی تحقیق کے دوران پہنچا۔

اے، ایف، کے

جولائی ۱۹۷۶ء

باب ۲

کیا نوعمر یسُوع اور یسُوع مسیح ایک ہی شخص ہیں؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بارہ میں چاروں مستند انجیلیں مختلف واقعات درج کرنے کے بعد ان کی زندگی کے تیس سال کی عمر تک کے حالات سے متعلق بالکل خاموش ہیں۔ جو کچھ تھوڑا بہت اس عرصہ کے بارہ میں درج ہے اس کا ذکر لُوقا ۲ : ۳۹ تا ۵۲ میں اس طرح پر ہے :

" اور جب وہ خداوند کی شریعت کے مطابق سب کچھ کر چکے تو گلیل میں اپنے شہر ناصرۃ کو پھر گئے۔ اور وہ لڑکا بڑھتا اور قوّت پاتا رہا اور حکمت سے معمور ہوتا گیا اور خدا کا فضل اس پر تھا۔ اس کے ماں باپ ہر برس عید فسح پر یروشلم کو جایا کرتے تھے اور جب وہ بارہ برس کا ہوا تو وہ عید کے دستور کے موافق یروشلم کو گئے۔ جب وہ ان دنوں کو پورا کر کے لوٹے تو وہ لڑکا یسُوع یروشلم میں رہ گیا۔ اور اس کے ماں باپ کو خبر نہ ہوئی۔ مگر یہ سمجھ کر کہ وہ قافلہ میں ہے۔ ایک منزل نکل گئے اور اسے اپنے رشتہ داروں اور جان پہچانوں میں ڈھونڈنے لگے۔ جب نہ ملا تو اُسے ڈھونڈتے ہوئے یروشلم تک واپس گئے اور تین روز کے بعد ایسا ہوا کہ اُنہوں نے اسے ہیکل میں اُستادوں کے بیچ میں بیٹھے، ان کی سنتے اور ان سے سوال کرتے ہوئے پایا اور جتنے اُس کی سن رہے تھے اس کی سمجھ اور اس کے جوابوں سے دنگ تھے۔ وہ اسے دیکھ کر حیران ہوئے۔ اور اس کی ماں نے اُس سے کہا بیٹا تُو نے ایسا کیوں کیا۔ دیکھ تیرا باپ اور میں کڑھتے ہوئے تجھے ڈھونڈتے تھے۔ اس نے ان سے کہا تم مجھے کیوں ڈھونڈتے تھے۔ کیا تم کو معلوم نہ تھا کہ مجھے اپنے باپ کے ہاں ہونا ضرور ہے؟ مگر جو بات

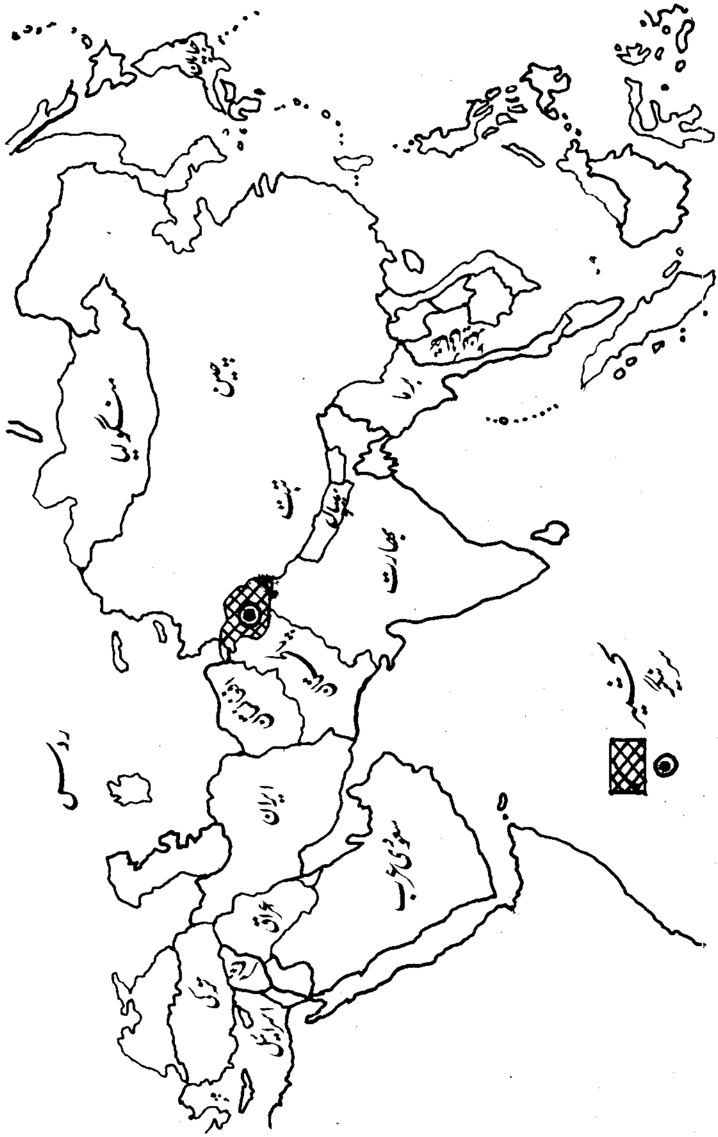
اس نے ان سے کہی اُسے وہ نہ سمجھے۔ اور وہ ان کے ساتھ روانہ ہو کر ناصرۃ میں آگیا اور ان کے تابع رہا اور اس کی ماں نے یہ سب باتیں اپنے دل میں رکھیں۔ اور یسُوع حکمت، قد و قامت میں اور خدا کی اور انسان کی مقبولیت میں ترقی کرتا گیا۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا دوسرا واقعہ جو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے وہ تیس ۳۰ سال کی عمر میں حضرت یحییٰ علیہ السلام سے بپتسمہ لینا ہے۔ یہیں سے ان کی دعوت کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ (لوقا ۳ : ۲۰ تا ۲۳) یہ واقعہ واقعۂ ہیکل کے اٹھارہ برس بعد ہوا۔ اس طرح بائبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے ایک خاصے لمبے عرصہ کو بالکل نظر انداز کر دیتی ہے۔ ہمیں بائبل کی اس خاموشی پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے، بلکہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ وہ شخص جو تیس سال کی عمر میں عوام کے سامنے ابھرتا ہے۔ کیا وہ حقیقت میں وہی بچہ تو نہیں جو بیت لحم میں پیدا ہوا تھا؟

نکولائی نوٹووچ کا انکشاف

سرینگر کشمیر میں پروفیسر حسنین سے ان کے گھر پر جب ہماری پہلی ملاقات ہوئی، تو انہوں نے ہمیں ان مآخذ کے بارہ میں تفصیل سے بتایا جن کی بنا پر ان کو یقین ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کشمیر گئے۔

پروفیسر حسنین نے بتایا کہ جنوری کے سخت سردی کے دن تھے۔ وہ لیہہ میں برفباری میں گھر گئے۔ کشمیر اور تبت کے درمیان یہ ایک پہاڑی علاقہ ہے، جو لدّاخ کا دارالخلافہ ہے۔ وقت گذارنے کی خاطر وہ لیہہ کے بُدھ راہب خانے کی لائبریری میں چلے گئے اور پرانی دستاویزات اور مسوّدات کو بغور دیکھنے لگے۔ اسی دوران میں ان کی نظر دو جرمن ڈاکٹر مارکس اور فرانکے کی ڈائریوں پر پڑی۔ یہ ڈاکٹر ایک عیسائی فرقہ کے مبلغ تھے جو دنیا کے دُور دراز علاقوں میں تبلیغ کا کام کرتے تھے۔ وہ دہلی یا سرینگر جیسے بڑے شہروں میں نہ جاتے، بلکہ الگ تھلگ لیہہ ایسے علاقوں میں اپنا کام کرتے۔ یہ ڈائریاں چالیس جلدوں میں تھیں اور ان پر ۱۸۹۴ء درج تھا۔ پروفیسر حسنین کو جرمن زبان تو پڑھنی نہ آتی تھی، لیکن انہیں ان مسوّدات میں گہری دلچسپی اور تجسس پیدا ہو گیا اور انہوں نے ان کی ورق گردانی شروع



ایشیا کے نقشہ میں کشمیر اور اس کے دارالخلافہ سرینگر کا مقام

کردی۔ ان صفحات میں ان کی نظر ایک نام سین عیسیٰ (SAN ISSA) پر پڑی جو سُرخ روشنائی سے لکھا تھا اور اس کے مقابل کے صفحہ پر نکولائی نوٹو وچ نام! چونکہ وہ مسوّدہ کی زبان نہیں سمجھتے تھے، اس لیے انہوں نے دونوں صفحات (صہ ۱۱۸، صہ ۱۱۹) کے فوٹو اتروا لیے اور سرینگر واپس پہنچ کر ان صفحات کا ترجمہ کروایا۔ تب انہیں پتہ چلا کہ ان صفحات میں بعض ان مسوّدات کا حوالہ ہے جو نوٹو وچ کو ہمس (HEMIS) کے بُدھ راہب خانہ سے دستیاب ہوئے تھے۔ یہ مقام لیہہ سے جنوب مشرق کی جانب ۲۴ میل کے فاصلے پر ہے ان مسوّدات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہندوستان کے علاوہ تبت اور لدّاخ کے انتہائی شمالی علاقوں میں بھی پہنچے اور یہ سفر انہوں نے ٹھیک انہی اٹھارہ سالوں میں کیا جن کے بارہ میں بائیبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق کوئی تفصیل ہم نہیں پہنچاتی۔ نوٹو وچ کی ان معلومات پر نہ تو ان دونوں جرمن مبلّغین نے اور نہ ہی احمدیہ تحریک کے ذمہ دار افراد نے یقین کیا، لیکن پروفیسر حسنین کو نوٹو وچ کی شہادت کی صداقت پر پورا یقین ہے بلکہ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ نہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جوانی کے ابتدائی ایام میں کشمیر کا سفر اختیار کیا، بلکہ ان کو صلیب کی موت سے بچائے جانے کے بعد وہ ہجرت کر کے کشمیر آ گئے۔

آئیے اب نوٹو وچ کے بیان کا تجزیہ کیا جائے۔ نیکولائی نوٹو وچ ایک رُوسی سیّاح تھے۔ جنھوں نے گزشتہ صدی کے آخر میں اس علاقہ کی چھان بین کی جو "تبت اصغر" کے نام سے مشہور ہے اور جس کی سرحدیں تبت اور لدّاخ سے ملتی ہیں۔ لدّاخ کے دارالخلافہ لیہہ میں سیر و سیاحت کے بعد نوٹو وچ نے اپنا سفر جاری رکھا اور ہمس کے بدھ راہب خانہ تک جا پہنچے۔ یہ اس علاقہ کا سب سے بڑا راہب خانہ ہے اور اس میں مذہبی کتب کی وسیع لائبریری ہے، وہاں کے بڑے لامہ سے گفتگو کرتے ہوئے نوٹو وچ نے بتایا کہ جب وہ حال ہی میں "ملبوکھ" کے بُدھ راہب خانہ گئے جو قصبہ دکھ کے قریب بلند چوٹیوں کے درمیان میں واقع ہے تو اسے ایک نبی کے بارہ میں حیرت انگیز باتیں بتائی گئیں اس نبی کو عیسیٰ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس لامہ نے نوٹو وچ کو بتایا کہ بُدھ مت کے لوگوں میں عیسیٰ نام کا بے حد احترام کیا جاتا ہے، لیکن اس نبی کی مساعی سے صرف وہی لامہ واقف ہوتے ہیں جنھوں نے ان کے

بارہ میں صحائف کا مطالعہ کیا ہو۔ وہاں کل ۸۴۰۰۰ صحائف ہیں، جن میں انبیاء کے متعلق تفصیلات درج ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت عیسیٰ بھی ہیں۔ چند ہی لوگ ایسے ہوں گے جنھوں نے ان صحائف یا مسوّدات کا سوواں حصّہ بھی پڑھا ہو۔ جو بے شمار جلدوں میں ہیں؛ تاہم یہ دستور تھا کہ جو بھی شاگرد یا لامہ "لھاسہ" (دارالخلافہ تبت) آتا وہ ایک یا ایک سے زیادہ ان صحائف کی نقل جس بُدھ راہب خانہ سے اس کا تعلق ہوتا یہاں پیش کرتا۔ اس طرح 'ہمس' کے بُدھ راہب خانہ نے ایسے مسوّدات کا ایک بڑا ذخیرہ اکٹھا کر لیا اور انہی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی اور تبلیغی مساعی کی تفصیلات بھی درج ہیں اور پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ان پاک تعلیمات کو ہندوستان اور بنی اسرائیل میں پھیلایا۔

بڑے لامہ نے مزید یہ بھی بتایا کہ وہ صحائف جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی اور ان کی تبلیغی سرگرمیوں کا ذکر ہے وہ ہندوستان اور نیپال سے تبت لائے گئے تھے۔ اصل میں یہ پالی زبان میں لکھے گئے تھے اور ان کو 'لھاسہ' میں رکھا گیا تھا، لیکن 'ہمس' میں اس کی کاپیاں تبتی زبان میں بھی موجود ہیں۔ ان صحائف کا علم عام طور پر لوگوں کو نہ تھا۔ ان کا علم صرف ان جیّد لامہ عالموں کو تھا، جنھوں نے اپنی ساری زندگی ان صحائف کے مطالعہ میں گذاری تھی جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بارہ میں حالات درج تھے۔

اس لیے (عام طور پر) مشکل سے ہی کسی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا علم تھا۔ یہ اس لیے بھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات بدھ مت کا ضروری حصّہ نہ تھیں اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں یعنی عیسائیوں نے دلائی لامہ کی حاکمیت کو قبول نہ کیا۔ اس لیے بدھ مت کے ماننے والوں نے حضرت عیسیٰ کو دوسرے کئی نبیوں کی طرح مقدس بزرگوں کی فہرست میں شامل نہ کیا۔

اسی مقام پر نوٹووچ نے اسی لامہ سے پوچھا کہ کیا کسی اجنبی کو اس بات کی اجازت مل سکتی ہے کہ وہ راہب خانہ میں موجود صحائف کی ان کاپیوں کو دیکھ سکے جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اس کے جواب میں لامہ نے کہا کہ جو چیز خدا کی ہے وہ انسانوں کے لیے بھی ہے اور یہ اس کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ ان صحائف کی اشاعت میں

مدد کرے؛ تاہم لامہ نے اس وقت ہی کہا کہ چونکہ اس کو صحیح طور پر یہ علم نہیں کہ لائبریری میں کس جگہ وہ صحائف رکھے ہوتے ہیں، لیکن اگر وہ (یعنی نوٹووچ) پھر کبھی اس راہب خانہ میں تشریف لائیں تو وہ ان صحائف کو نکال رکھے گا اور ان صحائف کو انہیں دکھا کر اُسے بے حد خوشی ہو گی۔

نوٹووچ کو بہر حال لیہہ واپس آنا تھا، لیکن انہوں نے پکا ارادہ کیا کہ وہ کسی بہانے "ہمس" دوبارہ آئیں گے۔ واپس آنے کے فوراً بعد ہی نوٹووچ نے اس بڑے لامہ کو ایک الارم گھڑی اور ایک تھرمامیٹر اس پیغام کے ساتھ تحفتہً بھیجا کہ وہ لداخ چھوڑنے سے قبل عین ممکن ہے دوبارہ راہب خانہ آئیں۔ اس امید کے ساتھ کہ اس دفعہ لامہ انہیں وہ صحائف دکھائیں گے جن کے بارہ میں انہوں نے وعدہ کیا تھا۔ نوٹووچ کو یہ فکر بھی لاحق تھا کہ کہیں ان صحائف کے بارہ میں زیادہ دلچسپی ظاہر کرنے سے لامہ کو کوئی شبہ پیدا نہ ہو جائے۔
لیکن ایک موقع ایسا پیدا ہو گیا جس نے نوٹووچ کی مشکل آسان کر دی۔ پتاخ کے بُدھ راہب خانہ کے قریب پہاڑیوں پر نوٹووچ کا گھوڑا ٹھوکر کھا گیا۔ جس کے نتیجے میں وہ اس زور سے زمین پر گرے کہ ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ لیہہ جانے کو ان کا جی نہ چاہا، اس لیے انہوں نے قلیوں کو حکم دیا کہ وہ انہیں ہمسؔ لے جائیں۔ یہاں ان کی خوب آؤ بھگت اور تیمارداری ہوئی۔

اس دوران میں جب وہ چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ ایک نوجوان ان کے بستر کے قریب مسلسل دُعائیں پڑھتا رہتا اور وہ سن رسیدہ بزرگ لامہ انہیں دلچسپ کہانیوں سے محظوظ کرتا رہتا نیز اکثر الارم گھڑی اور تھرمامیٹر سے متعلق پوچھتا رہتا کہ کس طرح ان کو صحیح طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے اور نوٹووچ اپنی جگہ بار بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق پوچھتا رہتا۔ آخر کار لامہ راضی ہو ہی گیا اور وہ دو بڑے پیکٹ کتابوں کے لئے آیا۔ جن کے اوراق لمبا عرصہ گذرنے کی وجہ سے پیلے ہو چکے تھے۔ پھر اس نے اس میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے حالات پڑھ کر سنائے۔ مترجم جب ساتھ ساتھ ترجمہ کرتا جاتا تو نوٹووچ اپنی یادداشت کے لیے اس کا خلاصہ لکھتے جاتے۔ یہ عجیب وغریب صحائف نظم کی صورت میں ہیں اور اکثر اشعار واقعات کو تسلسل سے بیان نہیں کرتے۔

حضرت عیسٰی علیہ السّلام کا ہندوستان کی طرف پہلا سفر

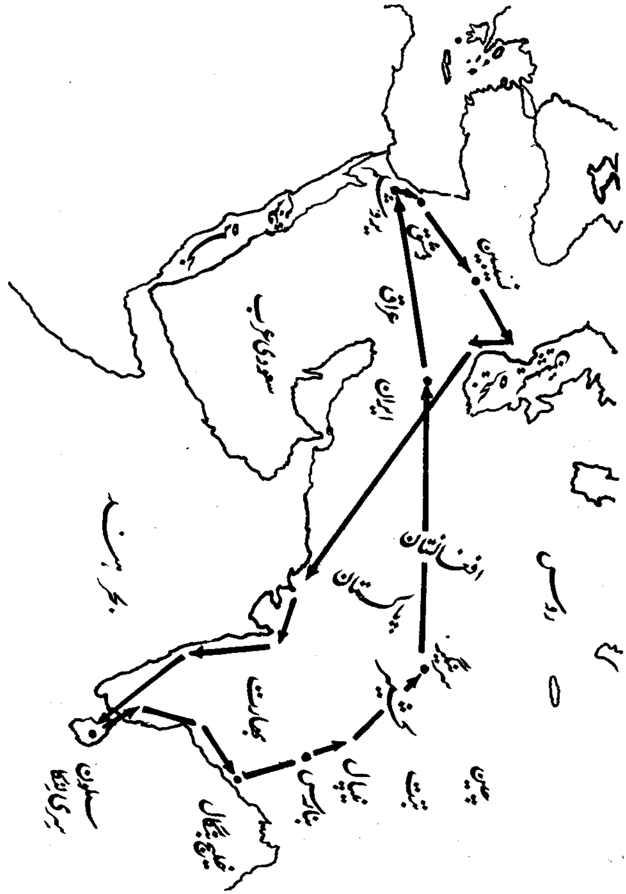
حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی زندگی کے ان حالات میں سب سے دلچسپ وہ حِصّہ ہے جس میں ان کے ہندوستان کی طرف پہلے سفر کی تفصیلات درج ہیں۔ اس سلسلہ میں نوٹووچ نے ہمس میں موجود مسوّدات سے سوانح عمری کا جو اقتباس دیا ہے، وہ حسب ذیل ہے۔ یہ چوتھے حِصّے کے پانچویں شعر سے شروع ہوتا ہے:

"کچھ عرصہ کے بعد اسرائیل کے ملک میں ایک خوبصورت لڑکا پیدا ہوا۔ خدا نے اس کے ذریعے سے کلام کیا اور یہ بتایا کہ اس جسم کی کوئی حقیقت نہیں اور رُوح کو بڑی عظمت ہے۔"

"بچے کے والدین غریب تھے۔ اور ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو اپنی نیکی کیوجہ سے ممتاز حیثیت رکھتا تھا اور اپنے ماضی کی شان وشوکت کو بھُول چکا تھا۔ وہ خدائے مطلق کا ذکر کرنے والا اور ان آفات کے ہوتے ہوئے بھی جو ان پر آن پڑی تھی وہ خدا کا شکر بجالانیوالا تھا۔"

"سچائی کی راہ میں ثابت قدم رہنے کے صلہ میں خدا نے اس خاندان کے پہلے بچہ پر اپنا کرم کیا اور اسے چُن لیا، تاکہ وہ لوگوں کو نجات دلائے جو رسوائی (کے گڑھے) میں گرے ہوئے تھے۔ اور ان کو صحت بخشے جو بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ یہ خدا پرست بچّہ جس کا نام انھوں نے عیسٰی رکھا، وہ بچپن ہی میں خدائے واحد ولاشریک کے متعلق باتیں کرنے لگا۔ اس نے گمراہ لوگوں کو توبہ کرنے کی تلقین کی اور اُنہیں گناہوں سے پاک کیا۔ لوگ جگہ جگہ سے اس جواں سال کے شیریں لبوں سے دانائی کی باتیں سننے کے لیے آتے اور حیران ہوتے۔ اسرائیلیوں کا کہنا تھا کہ اس میں رُوح القدس کا بسیرا ہے۔"

جب حضرت عیسٰی تیرہ سال کی عمر کو پہنچے، یہ وہ عمر ہے کہ ہر ایک اسرائیلی کو ایک بیوی کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ تب یہ گھر جس میں یہ خاندان شریفانہ گذر بسر کرتا تھا۔ ان امراء اور معززین کی آماجگاہ بن گیا جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اپنا داماد بنانا چاہتے تھے، کیونکہ ان کے رُوحانیت سے بھرپور واعظوں کی بدولت جو وہ خدا تعالٰی سے متعلق دیتے تھے ان کی شہرت دُور دُور کے علاقوں تک پھیل چکی تھی۔



وہ راستہ جو مسیحؑ نے ہندوستان کی طرف پہلے مفروضہ سفر کے دوران میں اختیار کیا۔

عین اس (شادی کے) موقع پر حضرت عیسیٰؑ چپکے سے اپنے والدین کے گھر سے غائب ہو گئے۔ انہوں نے یروشلم کو خیر باد کہا اور تاجروں کے ایک قافلہ کے ہمراہ سندھ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ معرفتِ الٰہی میں زیادہ ترقی اور کمال حاصل کریں اور عظیم بُدھوں کے قوانین کا مطالعہ کریں۔"

ان شعروں کے ساتھ ہی مسوّدہ کا وہ چوتھا حصّہ ختم ہو جاتا ہے جن میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی زندگی کے حالات کا بیان ہے۔

جیسا کہ مَیں نے دیباچہ میں ذکر کیا تھا کہ لفظ عیسیٰ یسوع کے مترادف ہے، اس لیے نوٹووچ کے ترجمہ کیے ہوئے باقی مسوّدہ کا مَیں خلاصہ بیان کروں گا، تو مسوّدہ میں جہاں بھی عیسےٰ ہوگا، مَیں اسے یسوع لکھوں گا۔

نوٹووچ کے مسوّدہ میں حضرت یسوعؑ کی زندگی کا بیان آگے یوں چلتا ہے کہ "چودہ سال کی عمر میں انہوں نے سندھ کو عبور کیا اور خدا کی موعودہ سرزمین میں سکونت اختیار کی۔ جلد ہی ان کی شہرت سندھ کے شمال کے علاقہ میں پھیل گئی اور جب آپ اینجاب (پنجاب) سے گذرے جو کہ پانچ دریاؤں کی سرزمین ہے تو جین دیوتا کے ماننے والوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ ان کے پاس قیام کریں، مگر انہوں نے ان سے رُخصت لی اور پاپیادہ جگن ناتھ کی طرف روانہ ہو گئے، جو اڑلیسہ میں ایک جگہ ہے۔ جہاں ویاسہ کرشن دفن ہیں۔ وہاں برہما کے پجاریوں نے آپ کا انتہائی خوشی سے استقبال کیا۔ ان سے آپ نے وَیدوں کو پڑھنا، سمجھنا، عبادت کے ذریعہ نجات حاصل کرنا۔ لوگوں کو مقدس کتب سمجھانا۔ انسانی جسم سے شیطانی ارواح کو نکال کر انسانیت کا شرف عطا کرنا وغیرہ سیکھا۔ حضرت عیسےٰ چھ سال تک جگن ناتھ، راجہ غریبہ اور بنارس اور دیگر متبرک شہروں میں رہے۔ ہر کوئی ان کو چاہتا تھا اور وہ ویشوں اور شودروں کے ساتھ نہایت پیار و محبت سے رہتے تھے۔ جن کو انہوں نے مقدس کتب کی تعلیم دی۔

حضرت عیسیٰ نے سب سے پہلے اپنے دشمن اس وقت پیدا کیے جب انہوں نے انسانی مساوات کی تلقین شروع کی، کیونکہ برہمن شودروں کو غلام سمجھتے اور صرف موت ہی انہیں غلامی سے نجات دلاتی تھی؛ چنانچہ برہمنوں نے حضرت مسیح کو کہا کہ وہ شودروں کا ساتھ چھوڑ دیں اور ان کا مذہب اختیار کریں، لیکن حضرت مسیح نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور برہمنوں

اور کشتریوں کے کہنے کے باوجود شودروں کو بُت پرستی کی بجائے خدائے واحد اور قادرِ مطلق کی تلقین شروع کی اُنھوں نے اس نظریہ کی سختی سے مذمت کی کہ کسی انسان کو دوسرے انسان کے حقوق غصب کرنے کا حق حاصل ہے اور اس کے بالمقابل یہ تعلیم دی کہ خدا اپنی اولاد یا (مخلوق) میں کوئی تفریق روا نہیں رکھتا۔ وہ سب سے برابر پیار کرتا ہے۔ برہمن حضرت مسیح کی ان باتوں کی وجہ سے ان سے نفرت کرنے لگے اور اپنے غلاموں کو ان کی تلاش کے لیے بھیجا، تاکہ انہیں پکڑ کر موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے، لیکن شودروں نے حضرت مسیح کو پہلے ہی اس خطرہ سے آگاہ کر دیا تھا اور وہ رات کو ہی جگن ناتھ سے نکل پڑے اور پہاڑوں میں چلے گئے اور گوتم قبیلہ کے علاقہ میں سکونت اختیار کر لی جہاں عظیم بدھ شکیا منی پیدا ہوئے تھے۔ وہاں کے لوگ صرف ایک برہما خدا کی عبادت کرتے تھے۔

آپ نے وہاں پالی زبان اچھی طرح سیکھ لینے کے بعد سوترا کے مقدس صحیفوں کا مطالعہ شروع کر دیا اور چھ سال کے عرصہ میں ہی اس قابل ہو گئے کہ ان کی تشریح کر سکیں۔ تب انہوں نے نیپال اور ہمالیہ کے پہاڑوں کو چھوڑا اور راجپوتانہ کی وادی سے گذر کر مغرب کی طرف روانہ ہوئے اور وحدہٗ لاشریک کی توحید کا پرچار کرتے گئے اور لوگوں کو پُرزور تلقین کی کہ وہ غلامی کو ختم کریں اور بُت پرستی ترک کریں۔

جب حضرت مسیح ایران پہنچے تو وہاں کے مذہبی رہنما پریشان ہو گئے اور انہوں نے لوگوں کو منع کر دیا کہ وہ ان کا وعظ ہرگز نہ سُنیں، لیکن اس کے باوجود جب لوگوں نے ان کا وعظ سُنا تو وہ راہنما حضرت مسیح کو اپنے سامنے لے آئے اور ان سے طول طویل بحث کی۔

حضرت مسیحؑ نے انہیں سمجھانے کی ہر چند کوشش کی کہ وہ سورج دیوتا اور نیکی بدی کے دیوتاؤں کی پرستش چھوڑ دیں۔ ان پر واضح کیا کہ سُورج بھی خدا ہی کی ایک مخلوق ہے اور سب سے بڑی ہستی خدا ہی تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے اور بدی کا کوئی الگ خدا نہیں۔

ان علماء نے بظاہر تو حضرت مسیح کی باتوں کو سُنا اور فیصلہ کیا کہ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے، لیکن رات کے وقت جب سب لوگ سو گئے، انہوں نے حضرت مسیح کو گرفتار کر لیا اور شہر کی فصیل سے دُور لے گئے اور انہیں وہاں اس خیال سے چھوڑ دیا کہ وہ کسی جنگلی درندے کا شکار ہو جائیں گے، لیکن حضرت مسیح نے صحیح سلامت اپنا سفر جاری رکھا اور ۲۹ سال کی عمر میں واپس اسرائیل آ گئے۔

حضرت مسیحؑ کی زندگی کا دوسرا حصہ جو اس مبنی مسودات کے مجموعہ میں درج ہے اور جسے نوٹووچ نے بیان کیا ہے، کافی سے زیادہ حضرت مسیحؑ کی دعوت سے متعلق بائیبل کی تفصیلات سے ملتا جلتا ہے۔ اس سلسلہ میں مذکورہ مسودات میں جو کچھ درج ہے، وہ لازمی طور پر حضرت مسیحؑ کی جوانی اور بلوغت کے دور کی سرگرمیوں کی وہ تفصیلات ہم پہنچاتا ہے، جس کے متعلق بائیبل بالکل خاموش ہے۔

کشمیر کے قیام کے دوران ہم لیہہ اور ہمس کے بُدھ راہب خانوں کو نہ دیکھ سکے، اس لیے کہ اپریل کا مہینہ تھا اور راستے برفباری کی وجہ سے بالکل بند تھے؛ تاہم نوٹووچ کے متعلقہ مسودات کے بارے میں شہادت اور ہمارا ان شہادتوں کا مطالعہ جن میں مذہبی رسم و رواج، روایات اور تاریخی پس منظر اور دیگر کئی شواہد شامل ہیں، ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ ہم سنجیدگی سے اس مفروضہ پر غور کریں کہ حضرت مسیحؑ زندہ رہے اور ہمالیہ کے پہاڑوں کے دامن میں آکر فوت ہوئے۔

آئندہ کے صفحات میں ہم اس مفروضہ کے متعلق شواہد پیش کریں گے اور ان امکانات کا جائزہ لیں گے کہ حضرت مسیحؑ صلیب کے کٹھن مرحلہ سے بچ نکلے اور جب ان کے زخم ٹھیک ہو گئے تو انہوں نے کشمیر کی طرف دوسری مرتبہ سفر اختیار کیا۔ اسی طرح ہم دیکھیں گے کہ تاریخ اور بائیبل میں ان امکانات کے لیے شواہد موجود ہیں کہ اسرائیل کے گمشدہ قبائل کشمیر میں آکر آباد ہو گئے۔ اگر یہ مفروضے صحیح ثابت ہو جائیں تو پھر کشمیر ہی وہ جگہ ہے جو حضرت مسیحؑ کی زندگی کا آخر کار منتہائے مقصود بنا۔

باب ۲

صلیب سے کشمیر تک

عام طور پر مشہور ہے کہ جوڈیہ کے رُومی گورنر پلاطوس نے حضرت مسیحؑ کو صلیب دینے اور ان کو اس طریق پر موت سے ہمکنار کرنے کی سخت مخالفت کی تھی۔ اس سلسلہ میں پلاطوس نے جو کردار ادا کیا، یُوحنا اور متی کی اناجیل میں اس کا اجمالاً ذکر اس طرح آیا ہے :

" اس پر پلاطوس اسے چھوڑ دینے میں کوشش کرنے لگا، مگر یہودیوں نے چلّا کر کہا اگر تو اس کو چھوڑے دیتا ہے، تو قیصر کا خیر خواہ نہیں۔ جو کوئی اپنے آپ کو بادشاہ بناتا ہے وہ قیصر کا مخالف ہے۔"

(یُوحنا ۱۹ : ۱۲)

"اور جب وہ تختِ عدالت پر بیٹھا تھا، تو اس کی بیوی نے اسے کہلا بھیجا کہ تو اس راستباز سے کچھ کام نہ رکھ، کیونکہ میں نے آج خواب میں اس کے سبب بہت دُکھ اٹھایا ہے۔"

(متی ۲۷ : ۱۹)

" جب پلاطوس نے دیکھا کہ کچھ بن نہیں پڑتا بلکہ الٹا بلوا ہوتا جاتا ہے تو پانی لے کر لوگوں کے رُوبرو اپنے ہاتھ دُھوئے اور کہا میں اس راستباز کے خُون سے بَری ہوں۔ تم جانو۔"

(متی ۲۷ : ۲۴)

حضرت مسیحؑ سے پلاطوس کی دلچسپی اور خیالات کا اظہار اس خط سے بھی ہوتا ہے، جو اس نے تبریس قیصر کو ۳۲ئہ میں لکھا۔ یہ خط رُوم کی ویٹیکن لائبریری میں محفوظ ہے جس کی نقول واشنگٹن میں امریکی کانگریس کی لائبریری سے مل سکتی ہیں۔

بنام تبریوس قیصر !

گلیلی میں ایک نوجوان کا پتہ چلا جو خدا کے نام پر جس نے اسے بھیجا تھا لوگوں کو نئی شریعت اور انکساری کی تعلیم دیتا تھا۔ پہلے تو میرا خیال تھا کہ اس کا ارادہ لوگوں کو رومیوں کے خلاف بغاوت پر اُکسانا ہے، لیکن جلد ہی میرے خدشات دُور ہو گئے۔ ناصرۃ کے یسوع کی تقاریر میں یہودیوں کی نسبت رُومیوں کے بارہ میں دوستی کا زیادہ اظہار ہوتا تھا۔

ایک دن میں نے ایک نوجوان کو لوگوں کے اجتماع میں دیکھا جو ایک درخت کے تنے کا سہارا لیے نہایت آہستگی سے ان لوگوں کو خطاب کر رہا تھا جو اس کے گرد جمع تھے۔ لوگوں نے مجھے بتایا کہ وہ مسیحؑ ہے۔ یہ صاف طور پر نظر بھی آ رہا تھا، کیونکہ اس میں اور ان لوگوں میں جو اس کے گرد جمع تھے نمایاں فرق تھا۔ اس کے خوشنما بالوں اور ڈاڑھی سے ایک تقدس جھلکتا تھا۔ اس کی عمر تقریباً تیس ۳۰ سال کی تھی۔ میں نے اس سے پیشتر کبھی ایسا دلکش اور شفقت بھرا چہرہ نہیں دیکھا۔ اس کے گورے رنگ اور کالی ڈاڑھیوں والے ان لوگوں میں جو اس کو سُن رہے تھے زمین آسمان کا فرق تھا؛ چونکہ میں اس کو پریشان نہ کرنا چاہتا تھا، اس لیے میں نے اپنا راستہ لیا ؛ البتہ اپنے سیکرٹری کو کہہ گیا کہ وہ مجمع میں شامل ہو کر اس کی باتیں سُنے۔ بعد میں میرے سیکرٹری نے مجھے بتایا کہ اس نے اس سے پہلے کسی فلسفی کی کتاب میں وہ باتیں نہیں پڑھیں جن کا مقابلہ یسوع کی تعلیمات سے ہو سکے۔ وہ نہ تو لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے اور نہ ہی ان کو بغاوت پر اُکسا رہا ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے طے کیا کہ اس کی حفاظت کی جائے اور اُسے جلسہ جلوس بلانے، لوگوں سے گفت وشنید اور اُن میں کام کرنے کی کھلی آزادی دیدی۔ اس کھلی آزادی نے یہودیوں کو مشتعل کر دیا جو اس بات پر سخت برہم تھے۔ اس (آزادی) کی وجہ سے غریبوں میں تو کوئی ہل چل پیدا نہ ہوئی ؛ البتہ امراء اور مقتدر لوگوں میں سخت ہیجان برپا ہو گیا۔ اس پر میں نے یسوع کو فورم (عدالتِ عام) میں طلب کیا، وہ آ گیا اور صبح کے وقت جب میں چہل قدمی کر رہا تھا۔ وہ "ناصریؑ" میرے سامنے پیش ہوا اور جونہی میری نظر اس پر پڑی تو مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا میرے پاؤں لوہے کی زنجیروں سے مرمریں فرش میں جکڑے ہوئے تھے۔ ایک مجرم کی طرح میرا سارا وجود کانپ رہا تھا؛ حالانکہ وہ نہایت سکون سے کھڑا تھا۔ میں نے اپنی جگہ سے ہلے جلے بغیر کچھ دیر تک اس غیر معمولی شخص کا جائزہ لیا۔ اس کی شخصیت اور کردار میں کوئی ناخوشگوار چیز نظر نہ آتی تھی۔ اس کی موجودگی سے میرے دل میں اس کے لیے انتہائی احترام پیدا ہو گیا۔ میں نے اسے کہا کہ اس کے گرد ایک مافوق الفطرت حالہ سا ہے

اور اس کی شخصیت میں اثر انگیز سادگی عیاں ہے جس کی وجہ سے وہ دورِ حاضر کے فلسفیوں اور استادوں سے کہیں بڑھ کر دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی خوشگوار طرز، سادگی، انکساری اور محبت نے ہم پر گہرا اثر چھوڑا ـــــ اے عزت مآب فرمانروا! یہ ناصرہ کے یسوع کی سرگرمیوں سے متعلق تفصیلات ہیں جو مَیں نے کافی وقت صرف کر کے آپ کی اطلاع کے لیے تیار کی ہیں۔ میری رائے میں جو شخص پانی کو شراب میں تبدیل کر سکتا ہے۔ بیماروں کو شفا بخش سکتا ہے، مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے۔ طوفانی سمندروں میں سکون لا سکتا ہے۔ ایسے شخص کو کسی مجرمانہ سرگرمی کا مرتکب نہیں گردانا جا سکتا۔ جیسا کہ دُوسروں نے کہا ہمیں بھی ماننا چاہیے کہ وہ یقیناً خدا کا بیٹا ہے۔

آپ کا خادم

رومی گورنر پلاطوس

ظاہر ہے کہ پلاطوس حضرت مسیحؑ کی موت نہ چاہتے تھے، لیکن یہودیوں نے حضرت مسیحؑ کو ایک باغی قرار دیدیا ہوا تھا جو بادشاہ بننے کا خواہشمند تھا۔ پلاطوس کو انہوں نے خبردار کیا کہ اگر اس نے مسیح کو آزاد چھوڑ دیا، تو اس کا یہ فعل قیصر سے عدمِ وفاداری کا مظہر ہوگا۔ پلاطوس اپنے بڑے عہدہ کو خطرہ میں ڈالنے کی ہمت نہ رکھتا تھا اور یہ بات کسی صورت بھی اس کے لیے مفید نہ تھی کہ وہ قیصر کو اپنا دشمن بنا لے اگر وہ حضرت مسیحؑ کو چھوڑ دیتا تو یہودی فوری طور پر اس کے خلاف قیصر سے اس کی شکایت کر دیتے۔ لہٰذا اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ وہی کرے جو یہودی چاہتے تھے؛ البتہ صرف ایک اختیار اس کے پاس ضرور تھا کہ صلیب پر سزائے موت کو اس طریق پر عمل میں لائے کہ مسیحؑ اس سے بچ جائیں اور ان کے دشمنوں کو پتہ بھی نہ چلے۔ اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور پر دلچسپ ہے کہ اس نے صلیب پر لٹکانے کا انتظام اس طرح کیا تھا کہ وہ یہودیوں کے "سبت" کے شروع ہونے سے ذرا پہلے عمل میں آئے یعنی جمعہ کو غروب آفتاب سے پہلے، کیونکہ یہودیوں کی شریعت کے مطابق مجرموں کو سبت شروع ہونیکے بعد صلیب پر لٹکے ہوئے نہ چھوڑا جا سکتا تھا۔ اسی کے پیشِ نظر دو چور بھی جن کو حضرت مسیحؑ کے ساتھ صلیب دیا گیا تھا اور وہ ابھی تک زندہ تھے جس پر سپاہیوں نے ان کی ٹانگوں کو توڑ دیا اور پھر انہیں صلیب سے اُتار دیا گیا، اس لیے یہ بات قرین قیاس نہیں کہ حضرت مسیحؑ اس وقت تک مر چکے تھے۔ یہ بات بھی غور کے قابل ہے کہ یوسف آرمیتھیا جو حضرت مسیحؑ کا ایک امیر محرم راز شاگرد تھا، اس جگہ نمودار ہوتا ہے اور پلاطوس کی اجازت سے حضرت مسیحؑ کے جسم کو ایک خاص مقبرہ میں لے جاتا ہے۔ ان تفصیلات کی اس امکان سے پوری

مطابقت ہے کہ حضرت مسیحؑ صلیب کی کڑی آزمائش سے زندہ بچ نکلے۔ آئیے اب ان شواہد کا تفصیل سے جائزہ لیں :

* * *

حضرت مسیحؑ صلیب پر فوت نہیں ہوئے

عبرانیوں باب ۵ آیت ۷ میں حضرت مسیح کا ذکر یوں آتا ہے "اس نے اپنی بشریّت کے دنوں میں زور زور سے پکار کر اور آنسو بہا بہا کر اسی سے دُعائیں کیں اور التجائیں کیں جو اس کو موت سے بچا سکتا تھا اور خدا ترسی کے سبب سے اس کی سُنی گئی" اس کا قریب قریب یہی مطلب ہوا کہ مسیحؑ صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔ لیکن پائیدار شہادت کے لیے ضروری ہے کہ ہم دیگر ذرائع سے چھان بین کریں۔

سب سے پہلی بات جو ہمیں یاد رکھنی چاہیے، وہ یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر زیادہ دیر نہیں رہے۔ انکو سزا سنائی گئی اور جس دن ان کو صلیب دیا گیا، اُسی دن اُتار لیا گیا۔ ایسا کرنا اس لیے ناگزیر تھا کیونکہ سبت شروع ہونے سے پہلے صلیب کے عمل کا مکمل ہونا لازمی تھا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

صلیب پر موت عام طور پر جلد واقع نہیں ہوتی، جبکہ سخت تکلیف کئی کئی روز تک جاری رہتی۔ یہاں تک کہ بھوک، پیاس، موسمی خرابیوں، شکاری پرندوں یا دوسرے درندوں کے حملوں سے بالآخر موت واقع ہو جاتی تھی۔ بعض اوقات مجرموں کی ٹانگوں کو توڑ دیا جاتا تھا، تاکہ موت جلد واقع ہو جائے۔ لیکن کئی دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ صلیب پر لٹکے رہنے کی تکلیف کو ہی کافی سمجھ کر مجرم کو ایک آدھ دن کے بعد اتار لیا جاتا اور اسے زندہ چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اگر صلیب کے زخموں کا احتیاط سے علاج کیا جاتا، تو "مصلوب" کے ٹھیک ہو جانے کی بھی امید ہوتی تھی۔ اس بات کو بھی ذہن میں رکھیں کہ حضرت مسیح کو دو چوروں کے ساتھ صلیب پر لٹکایا گیا تھا اور ان کو بھی وہی تکالیف برداشت کرنا پڑیں، جس کا ذکر لوقا کی انجیل میں اس طرح پر ہے :

"پھر جو بدکار صلیب پر لٹکائے گئے تھے ان میں سے ایک اسے یوں طعنہ دینے لگا کہ تو مسیحؑ نہیں ؟ تو اپنے آپ کو اور ہم کو بچا۔ مگر دُوسرے نے جھڑک کر جواب دیا کہ تو خدا سے بھی نہیں ڈرتا حالانکہ اسی سزا میں گرفتار ہے ؟" (۲۳ : ۳۹ — ۴۰)

جیسا کہ پہلے ذکر گزر چکا ہے کہ مسیحؑ اور دونوں چوروں کو صلیب پر سے ایک ہی وقت اتارا گیا تھا اور چور اُس وقت تک ابھی زندہ تھے۔ پس یہ دیکھتے ہوئے کہ انہوں نے بھی ایسی ہی جسمانی اذیت

اُٹھائی جیسی کہ مسیح نے، اس لیے ممکن نہیں ہو سکتا کہ اس وقت تک مسیحؑ فوت ہو چکے ہوں۔ خاص طور پر جبکہ اس سے ذرا پہلے اُنھوں نے بلند آواز میں چیخ کر یہ کہا تھا: ایلی ایلی لما سبقتنی یعنی اے خدا اے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا ہے۔

دُوسری بات جو ذہن میں رکھنی چاہیے یہ ہے کہ بائبل ہمیں بتاتی ہے کہ یوسف ارمتھیا نے مسیحؑ کی لاش لینے کی درخواست کی تو پلاطوس نے جس کو تجربہ سے علم تھا کہ صلیب پر موت واقع ہونے میں کافی وقت لگتا ہے، اس لیے اس نے تعجب سے کہا: "کیا وہ مر چکا ہے" (مرقس ۱۵ : ۴۴) اس کے علاوہ جب رُومی سپاہیوں نے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کیا واقعی مسیحؑ مر چکے ہیں ان کے پہلو میں نیزہ مارا "تو فی الفور اس سے خون اور پانی بہہ نکلا" (یُوحنا ۱۹ : ۳۴) اگر مسیح مر چکے ہوتے تو زخم سے صرف گاڑھے خون کے قطرے نکلتے۔ اسی سلسلہ میں ٹیورن کے معروف "مقدس کفن" کے حالیہ تجزیاتی مطالعہ سے جو شواہد منظرِ عام پر آئے ہیں ان کو بھی زیرِ غور لانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اس کفن کے متعلق مشہور ہے کہ اس میں حضرت مسیحؑ کے جسم کو لپیٹ کر ایک کشادہ قبر میں رکھا گیا تھا۔

ٹیورن میں موجود مقدس کفن

ممتاز ماہر علم جرمیات اور زیورک پولیس کی سائینٹفک لیبارٹری کے ڈائریکٹر پروفیسر میکس فری جو ۱۹۶۹ء سے ٹیورن کے مقدس کفن سے چپکے ہوئے پھولوں کے ریزوں کا معائنہ کر رہے ہیں۔ انھوں نے ترقی یافتہ جدید فنی طریقوں سے کئی سال کے گہرے تجزیہ کے بعد کفن کی تاریخ اور اس کی اصلیت کا تفصیلی خاکہ تیار کیا ہے۔ خاص طور پر انھوں نے کفن پر چسپاں دیرینہ پتھر کی سی ہیئت اختیار کیے ہوئے گل ریزوں کا گہرا تجزیہ کر کے دریافت کیا ہے کہ یہ ایسے پودوں کے ریزے ہیں جو دو ہزار سال قبل صرف فلسطین میں پائے جاتے تھے۔ اس کے بعد اسے اس کفن کی صداقت کے بارہ میں کوئی شبہ نہ رہا جو قسطنطنیہ اور بحیرہ روم کے پودوں کے زردانوں کے آثار بھی لیے ہوئے ہے۔ اس کفن پر پندرہ مختلف پودوں کے زردانوں کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے ان میں سے چھ فلسطین، ایک قسطنطنیہ اور آٹھ کا تعلق بحیرہ روم سے ہے۔

یہ تحقیق جس کی ابتدا کلیسیا کی اجازت سے ۱۹۶۹ء میں ہوئی تھی اس کے نتائج کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے ۱۹۷۶ء کے اوائل میں ایک پریس نوٹ جاری کیا گیا جو یہ تھا: "وہ کفن جو مسیحؑ

کے جسم پر لپٹا ہوا تھا اس کے متعلق سات سال تحقیق کرنے کے بعد بہت سے سائنسدان اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مسیح ابھی زندہ تھے کہ انہیں دفن کر دیا گیا تھا۔ ماہرین اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ مقدس کفن جو ٹیورن میں محفوظ ہے ایک مصلوب کے جسم پر لپٹا ہوا تھا، جس نے بالکل مسیح کی طرح صلیب پر تکالیف برداشت کیں، لیکن ان کا کہنا ہے کہ یہ شخص صلیب پر فوت نہیں ہوا تھا، بلکہ ابھی وہ زندہ ہی تھا کہ دفن کر دیا گیا۔ کفن پر موجود خون کے اٹھائیس دھبے اس امر کا واضح ثبوت ہیں۔ محققین ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ مُردہ جسم سے جو کفن میں لپٹا ہو، یقیناً اس میں سے اس طریق پر خون نہیں بہہ سکتا۔ مسیح کو زندہ ہی دفن کر دیا گیا یا پھر کوئی دوسرا مسیح ہوگا جس کو بالکل ایسی اذیتوں میں مبتلا کیا گیا ہو"۔

ٹیورن کے کفن کی تاریخ نویں صدی عیسوی تک جاتی ہے۔ جب یہ یروشلم میں تھا۔ بارھویں صدی میں قسطنطنیہ میں تھا اور ١٤٧٤ء میں تھوڑے عرصے کے لیے بلجیم میں۔ اس کے بعد سوائے کے شاہی خاندان کی ملکیت میں چلا گیا۔ ١٥٣٢ء میں اسے آگ لگ جانے سے نقصان بھی پہنچا اور اس کے تین سال بعد یہ ٹیورن پہنچا دیا گیا۔ ١٥٣٦ء سے ١٥٧٨ء تک یہ ورسیلی، میلان اور نیس ہوتا ہوا کیمبرے پہنچا جہاں سے ١٧٠٦ء میں پھر ٹیورن لایا گیا۔ اسی سال کے دوران کچھ وقت کے لیے اس کو جنیوا منتقل کر دیا گیا تھا۔ ١٩٤٦ء میں خاندان سوائے کے "ہیوبرٹ دوم" نے باقاعدہ طور پر اسے ٹیورن کے آرچ بشپ کے حوالے کر دیا، لیکن اس کی ملکیت کے حقوق اسی خاندان کے پاس رہے۔ اس کفن کی تصاویر سب سے پہلے ١٨٩٨ء میں لی گئیں۔ سرکاری طور پر اس کی تصاویر جی انیری نے ١٩٣١ء میں لیں جبکہ کفن کے متعلق سنجیدگی سے تحقیقات کا آغاز ہوا۔

کفن تین فٹ سات انچ (١١٠ سینٹی میٹر) چوڑا اور چودہ فٹ تین انچ (٤٣٦ سینٹی میٹر) لمبا ہے۔ ویٹیکن کے ایک تکنیکی ماہر "ریکی" کے اندازے کے مطابق کفن پر جسم کی چھاپ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جسم پانچ فٹ چار انچ (١٦٢ سینٹی میٹر) لمبا ہے؛ تاہم پروفیسر لورینز وفیری جو رُوم کے ایک مجسمہ تراش ہیں انہوں نے کفن میں لیٹے ہوئے جسم کا حساب تقریباً ٦ فٹ دو انچ (١٨٧ سینٹی میٹر) لگایا ہے۔

١٩٥٧ء میں کرٹ برنا کی جرمن زبان میں کتاب "حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے" شائع ہوئی۔ برنا کیتھولک ہیں اور سٹٹگرٹ میں جرمن انسٹیٹیوٹ کے سیکرٹری ہیں۔ اینری کی تصاویر شائع ہونے کے بعد یہ ادارہ ٹیورن کے مقدس کفن کے گہرے مطالعہ میں مصروف ہے۔ برنا نے ان تحقیقات کے نتائج دو جرمن کتب "دس لینن" یعنی مقدس کفن اور جیسس نخت ام کریوز

گیسٹور بن" یعنی حضرت مسیحؑ صلیب پر فوت نہیں ہوئے" کی صورت میں شائع کیے۔ ان کتابوں خاص طور پر دوسری کتاب کے شائع ہوتے ہی عیسائی دنیا میں کھلبلی مچ گئی۔ اور اس پر کافی لے دے ہوئی۔

۲۶ ر فروری ۱۹۵۹ء کو برنا نے پوپ جان XXIII ۲۳ سے درخواست کی کہ وہ ماہرین کی ایک کمیٹی تشکیل دیں جو ٹیورن کے کفن کے بارہ میں تحقیقات کرے اور اس مابہ النزاع بحث کو ختم کرے۔ پہلے تو یہ درخواست جرمنی میں پوپ کے متعینہ سفیر نے رد کر دی، لیکن بالآخر ۱۹۶۹ء میں ڈیٹیکان نے ایک کمیٹی مقرر کر دی، جو جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں انہی نتائج پر پہنچی جس پر برنا پہنچے تھے۔ برنا نے پوپ کے نام جو خط لکھا وہ حسب ذیل ہے۔

تقدس مآب!

"دو سال قبل جرمن ادارہ برائے تحقیقات مقدس کفن نے ٹیورن میں محفوظ کفن کے متعلق تحقیقات کی رپورٹ آپ کے مقدس دفتر میں اور عام لوگوں کے سامنے پیش کر دی تھی۔

گزشتہ ۲۴ مہینوں میں جرمن یونیورسٹیوں کے مختلف ماہرین نے ان غیر معمولی انکشافات کو رد کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ بظاہر انہوں نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ سائنسی علوم کی بنا پر ان نتائج کو آسانی سے رد کیا جا سکتا ہے، لیکن اس کے باوجود انہیں اپنی شکست ماننا پڑی ہے اور اب انہوں نے نہ صرف ان تحقیقات کو درست تسلیم کیا ہے بلکہ یہ بھی مانا ہے کہ یہ نتائج عیسائی اور یہودی دونوں مذاہب کے لیے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ان بہت سی آراء کو یہاں درج کرنا بے محل اور غیر ضروری ہے جو بین الاقوامی پریس میں اس بارہ میں شائع ہو چکی ہیں۔

چونکہ کوئی بھی حتمی طور پر ان تحقیقات کے نتائج سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس لیے اس ادارہ کو یقین ہے کہ یہ انکشافات ساری دنیا کے لیے کھلا چیلنج ہیں۔

یہ بات اب بلا کسی شک و شبہ کے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت مسیح کو صلیب سے اتارنے اور کانٹوں کا تاج ہٹانے کے بعد ہی اس کفن میں لپیٹا گیا تھا۔

اب تک جو تجربات کیے جا چکے ہیں ان سے یہ بات اس حد تک پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ایک مصلوب شخص کو ہی اس کفن میں لپیٹا گیا اور اس میں اسے کچھ عرصہ تک رہنے دیا گیا تھا۔۔۔۔ اہل مغرب کے طبی نقطۂ نظر سے یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ اس کفن میں جو جسم رکھا گیا تھا وہ بے جان

نہ تھا، کیونکہ اس کا دل ابھی حرکت میں تھا۔ سیال خون کے نشانات، ان کی ہیئت اور اصلیت سے یہ سائنسی نتائج برآمد ہوتے ہیں کہ نام نہاد صلیبی پھانسی قانونی طور پر پایۂ تکمیل کو نہ پہنچی تھی۔ اس لیے یہ انکشاف عیسائیت کی ماضی اور حال کی تعلیمات کو نادرست قرار دیتا ہے۔

تقدس مآب!

سائنس کی رُو سے معاملہ کی جملہ تفصیلات کی موجودہ صورت یہ ہے کہ اس بات میں اب کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ مقدس کفن کے بارہ میں موجودہ تحقیق [illegible] کی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ اس کا تعلق سائنسی اور تاریخی حقائق سے ہے۔

مقدس کفن کی جو تصاویر ۱۹۳۹ء میں پوپ پائس XI کی خاص اجازت سے تیار کی گئی تھیں وہ موجودہ تحقیقات کے نتائج کے لیے مزید مواد مہیا کرتی ہیں۔ ان حقائق کو جھٹلانے کے لیے ضروری ہے کہ ذیل کے کیمیائی تجزیے کیے جائیں۔

ا۔ مقدس کفن پر موجود سیال خون کے نشانات جو اس وقت تک دل کی حرکت کرنے کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے۔ ان کا جدید کیمیائی تجزیہ کیا جائے۔ اس عمل میں خوردبین اور اسی قسم کے دوسرے آلات کو بروئے کار لایا جائے۔

ب۔ اس معائنہ میں ایکس رے۔ انفراریڈ اور الٹراوائلٹ شعاع اور دیگر جدید طریقوں کو اپنایا جائے۔

ج۔ کفن کے بارہ میں زمانہ کے تعین کے لیے ایٹمی گھڑی اور کاربن فارمولا کے طریق کو بروئے کار لایا جائے۔ کفن کے صحیح تجزیہ کے لیے صرف ۳۰۰ گرام وزن کپڑے کی ضرورت ہوگی۔ اس سے مقدس کفن کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا، کیونکہ کفن کے اطراف سے ۲ سینٹی میٹر چھوٹا سا ٹکڑا لیا جائیگا۔ جو کہ ۱.۱۲۶ میٹر لمبا ہے۔ اس طریق پر کپڑے کے اہم حصوں کو بالکل کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

تقدس مآب!

ساری عیسائی دنیا میں صرف آپ ہی کلیسا کے پوپ یا سربراہ ہونے کی حیثیت سے اس مقدس کفن کے متعلق اختیار رکھتے ہیں۔ جرمن انسٹی ٹیوٹ اور دوسرے اداروں کی تحقیقات کے نتائج کو صرف اسی صورت میں جھٹلایا جا سکتا ہے۔ اگر اس کا سائنسی تجزیہ ہو جائے۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ مقدس کفن کے بارہ میں چرچ تجربات کرنے کی اجازت کیوں نہیں دیتا۔

میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ چرچ اس سے خائف ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ انسٹیٹیوٹ کو تو ایسا کوئی خوف لاحق نہیں، کیونکہ اس نے یہ تحقیقات نہایت ایمانداری اور اخلاص سے کی ہیں اور ہر ممکن طریق کار اختیار کیا ہے۔ ہم یہ نہایت وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ان انکشافات کو دنیا میں کوئی بھی شخص ردّ نہیں کرسکتا۔ انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے یہ سب کے لیے کھلا چیلنج ہے۔

جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ حقائق کی براہِ راست اور مکمل سائنسی جانچ پڑتال کے ذریعہ سے ہی خاطر خواہ نتائج برآمد ہو سکیں گے۔

ان نیک ارادوں کے پیش نظر ہم نہایت انکسار سے جناب تقدّس مآب سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ایسا کرنے کی منظوری دے دیں۔ تاکہ کلیسا اس سارے معاملہ کو کسی خاطر خواہ اختتام تک پہنچا سکے۔ اگر کلیسا اس بات پر آمادہ ہو جائے تو کلیسا کے بہت سے ماننے والے اور دیگر ادارے اس آواز پر لبیک کہنے کو تیار ہیں۔

مقدس کفن کے جرمن تحقیقی ادارہ کی طرف سے اور بعض دیگر تحقیقی اداروں کی بہبود کی خاطر ہم جو رومن کیتھولک چرچ کے ماننے والے ہیں۔ تقدس مآب سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ یہ حکم صادر کریں، تاکہ اس سلسلہ میں ضروری ثبوت حاصل کیے جا سکیں۔

تقدس مآب کے لیے نہایت مؤدبانہ تسلیمات کے ساتھ

کرٹ برنا

کیتھولک مصنف اور سیکرٹری برائے اندرونی معاملات

جرمن انسٹیٹیوٹ

صلیب کے زخم ٹھیک ہونے کے بعد حضرت مسیحؑ کی زندگی کے متعلق کچھ کہنے سے پہلے میں ان نتائج میں سے چند ایک کا خلاصہ بیان کروں گا جن کا ذکر کرٹ برنا نے اپنی اس کتاب میں کیا ہے۔

کرٹ برنا کا یہ کہنا ہے کہ کفن کے تجزیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح کے سر اور ہاتھ کو باقی جسم کی نسبت اونچا رکھا گیا تھا۔ اگر مسیحؑ جب انھیں کفن میں لپیٹا گیا تھا، فوت ہو گئے ہوتے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ ان حصّوں سے کوئی تازہ خون نہ بہتا اور نہ ہی کفن پر نشانات چھوٹتا۔ نیز کرٹ برنا کا یہ کہنا ہے کہ رومیوں نے کانٹوں کا جو تاج مسیحؑ کے سر پہ رکھا تھا تاکہ ان کا مذاق اُڑایا جائے کہ یہ "یہودیوں کا بادشاہ" (ہونے کا دعویٰ کرتا ہے) ان کانٹوں سے جو زخم پیدا ہوئے تھے ان زخموں سے بہتے ہوئے خون کے دھبّے بھی کپڑے پر موجود ہیں۔ جب ان کے

جسم کو صلیب سے نیچے اُتار کر کانٹوں کے تاج کو ہٹایا گیا تو کانٹوں سے پیدا ہونے والے زخموں سے خون بہنا شروع ہو گیا۔ اگر حضرت مسیحؑ اس سے پیشتر فوت ہو چکے ہوتے تو خون کو ان کے جسم کے نچلے حصّہ میں جم جانا چاہیے تھا۔ یہ قانونِ قدرت ہے کہ دل دھڑک رہا ہو تو خون خلاؤں میں بھی دَوڑ کرتا رہتا ہے، لیکن ایک بار دل کی حرکت بند ہو جائے، تو خون کی گردش بند ہو جاتی ہے اور وہ رگوں میں سکڑنے لگتا ہے اور جلد کے نیچے باریک رگوں سے خون نچڑ جاتا ہے اور جسم پر موت کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں۔ پس حضرت مسیحؑ کے سر کے زخموں سے تازہ خون ہرگز نہ بہتا۔ اگر ان کا دل حرکت نہ کر رہا ہوتا۔ پس بلحاظ طب یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت مسیحؑ کو جب کفن میں لپیٹا گیا تھا اس وقت وہ فوت نہیں ہوئے تھے۔ شاید انہوں نے سانس لینا بند کر دیا ہو اور مُردوں کی طرح دکھائی دے رہے ہوں، لیکن اگر دل حرکت میں ہو تو اس حالت میں یہ ممکن ہوتا ہے کہ فوری اور خصوصی طبّی امداد سے ایسا شخص زندہ ہو جائے۔

کفن پر ایک باریک لکیر اس جگہ کو ظاہر کرتی ہے جہاں خون دائیں ہاتھ کے ناخن سے دائیں بازوؤں کی طرف بہہ نکلا۔ جب کیل کو ہاتھ سے نکالا گیا تھا۔ یہ اس بات کا مزید ثبوت مہیّا کرتا ہے کہ تازہ خون تھا جو کفن میں جذب ہوا اور مسیح کا دل ابھی کام کر رہا تھا جب انہیں صلیب سے نیچے اُتارا گیا۔

کفن یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ رومی سپاہی نے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کیا حضرت مسیح مر چکے ہیں ان کے جسم میں کسی جگہ نیزہ مارا تھا اور ان کے جسم کو مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔ خون کے نشانات بتاتے ہیں کہ نیزہ سینے کی دائیں جانب مارا گیا جو پانچویں اور چھٹی پسلی کے درمیان سے ہوتا ہوا بائیں جانب ذرا اوپر ۲۹ درجہ کا زاویہ بناتا ہوا باہر نکل گیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ نیزہ دل کے بالکل قریب سے گذرا، لیکن اس نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ اس لیے خون اور پانی جس کے زخم سے بہہ نکلنے کا ذکر یوحنا نے بھی باب ۱۹ : ۳۴ میں کیا ہے، وہ دل سے بہنے والے نہیں ہو سکتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دل ابھی تک کام کر رہا تھا، لیکن کافی کمزور حالت میں اور مسیح ابھی تک زندہ تھے۔

مسیحؑ کے حواری سینٹ پال نے اسی سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر فوت ہو گئے تھے اور بعد میں زندہ ہو گئے اور اس عقیدہ کو تاریخی حیثیت دیدی اور اسی عقیدہ کی کلیسا نے بھی تصدیق کر دی۔ اس لحاظ سے ٹیورن میں مقدس کفن سے متعلق تحقیق کے نتائج نے

کلیسا کو مشکل میں ڈال دیا ہے؛ چنانچہ ۳۰ جون ۱۹۶۰ء کو پوپ جان XXIII نے ایک اعلان جاری کیا جو ویٹیکن اخبار کے شمارہ مورخہ ۲ جولائی میں "حضرت مسیحؑ کے جسم کی مکمل نجات" کے عنوان کے تحت شائع ہوا اس میں پوپ نے ان کیتھولک پادریوں کے لیے جنھوں نے کفن سے متعلق خبروں کو مان لیا اور ان کی تشہیر کی، یہ وضاحتی بیان دیا کہ انسانیت کی مکمل نجات حضرت یسوع مسیح کے خون سے وابستہ ہے اور اس کے لیے انکی موت (صلیب پر ایمان لانا) ضروری نہیں۔

حضرت مسیحؑ جب قبر سے نکلے تو زندہ تھے

جب مسیحؑ کو صلیب سے اُتارا گیا اس کے بعد متعدد ایسے واقعات تسلسل سے ظہور پذیر ہوئے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا علاج ہوا اور انہوں نے اس قبر کو جیتے جاگتے چھوڑا۔ قبل ازیں ہم پیلاطوس کی مسیحؑ سے ہمدردی کی تفصیل پڑھ چکے ہیں اور (صلیب سے) حضرت مسیح (کے جسم) کو ان کے دشمنوں کی بجائے ان کے دوستوں کے سپرد کیا گیا تھا۔ یوحنا کی انجیل اس کے متعلق یوں بیان کرتی ہے:

"ان باتوں کے بعد آرمتیا کے رہنے والے یوسف نے جو یسوع کا شاگرد تھا، لیکن یہودیوں کے ڈر سے خفیہ طور پر پیلاطوس سے اجازت چاہی کہ یسوع کی لاش لیجائے۔ پیلاطوس نے اجازت دی۔ پس وہ آکر لاش لے گیا اور نیکدیمس بھی آیا جو پہلے یسوع کے پاس رات کو گیا تھا اور پچاس سیر کے قریب مُر اور عود ملا ہوا لایا۔" (۱۹: ۳۸، ۳۹)

یہودیوں کے عام دستور کے برخلاف مسیحؑ کو ایک قبر میں نہ ڈالا گیا اور نہ ہی دفن کیا گیا، بلکہ انہیں ایک کشادہ قبر نما غار میں رکھا گیا جس کے منہ کو ایک بڑے پتھر سے بند کر دیا گیا تھا اور اس کے اندر اتنی ہوا تھی، جس میں وہ سانس لے سکتے تھے۔ قبر سے باہر نکلنے کے لیے مسیحؑ کو اس پتھر کو ایک طرف ہٹانا پڑا جس نے راستہ کو بند کیا ہوا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک انسان کی طرح نکلے نہ کہ ایک رُوح کی طرح، ورنہ دوسری صورت میں انہیں ایک مادی رکاوٹ کو ہٹانے کی کیا ضرورت تھی۔ اسی طرح یہ امر واقع ہے جو ہمیں بتایا جاتا ہے کہ وہ اپنے شاگردوں سے پہلے آگے ہی گلیل کی طرف جا رہے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سفر ایک انسان کر رہا ہے۔ مرقس کی انجیل اس کی تفصیل یُوں بیان کرتی ہے:

"اس (آرمتھیا کے یوسف) نے ایک مہین چادر مول لی اور لاش کو اُتار کر اس چادر میں کفنایا اور ایک قبر کے اندر جو چٹان میں کھودی گئی تھی رکھا اور قبر کے مُنہ پر ایک پتھّر لڑھکا دیا۔
اور مریم مگدلینی اور یوسیس کی ماں مریم دیکھ رہی تھیں کہ وہ کہاں رکھا گیا ہے۔
جب سبت کا دن گذر گیا تو مریم میگدلینی اور یسوع کی ماں مریم اور سلومی نے خوشبودار چیزیں مول لیں تاکہ اس پر آکر ملیں۔ وہ ہفتہ کے پہلے دن بہت سویرے جب سُورج نکلا ہی تھا قبر پر آئیں اور آپس میں کہتی تھیں کہ ہمارے لیے پتھر کو قبر کے مُنہ پر سے کون لُڑھکائے گا؟ جب انہوں نے نگاہ کی تو دیکھا کہ پتھر لڑھکا ہوا ہے، کیونکہ وہ بہت ہی بڑا تھا اور قبر کے اندر جاکر انہوں نے ایک جوان کو سفید جامہ پہنے ہوئے داہنی طرف بیٹھے ہوئے دیکھا اور نہایت حیران ہوئیں۔ اس نے ان سے کہا ایسی حیران نہ ہو۔ تم یسوع ناصری کو جو مصلوب ہوا تھا ڈھونڈتی ہو۔ وہ جی اٹھا ہے وہ یہاں نہیں ہے۔ دیکھو یہ وہ جگہ ہے جہاں انہوں نے اسے رکھا تھا۔
لیکن تم جاکر اس کے شاگردوں اور پطرس سے کہو کہ وہ تم سے پہلے گلیل کو جائیگا۔ تم وہیں اس کو دیکھو گے جیسا اس نے تم سے کہا"
(۱۵: ۴۶، ۱۶: ۱ تا ۷)
یہ بیان کہ تین عورتیں قبر میں داخل ہوگئیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قبر بہت وسیع تھی۔
اب میں یوحنّا کے اس اقتباس کی طرف واپس آتا ہوں جو پہلے درج کیا جا چکا ہے۔ اس میں ایک قابلِ غور اشارہ ہے۔ یعنی شاید وہ شخص نکدیمس ہی ہے جس نے مسیح کے زخموں کا علاج ایک خاص مرہم سے کیا۔ بہت سی مشرقی طب کی کتب میں اس مرہم کا ذکر مرہم عیسیٰ یا مرہم رسول کے نام سے آتا ہے۔ ان میں سب سے مشہور شیخ الرئیس بوعلی سینا کی کتاب "قانون" ہے جو مغرب میں "کینن آف ایوسینا" کے نام سے معروف ہے۔ اسی طرح کی دیگر کتب میں "قرابادین رومی" بھی ہے جو تقریباً مسیح کے زمانے میں ہی مرتب کی گئی تھی اور بعد میں اس کا عربی ترجمہ کیا گیا۔
آخر میں یہ بات دلچسپی کا باعث ہوگی جس کا ذکر مرسیر ایلینڈ نے اپنی کتاب "لے میتھ دو ریٹور ایٹرنل" شائع شدہ (پیرس ۱۹۵۸ء) میں کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ سولھویں صدی میں انگلستان کے عوام میں دو طرح کے جادو عام تھے اور ان کا استعمال اس وقت ہوتا تھا جب ساج اور وربینا کی بوٹیوں کے اکٹھا کرنے کا موسم آتا تھا۔ ان بوٹیوں کے متعلق کہا جاتا تھا کہ ان کی یہ امتیازی خصوصیت تھی کہ وہ پہلے کیلوری میں پیدا ہوئی تھیں اور ان کے ذریعہ سے حضرت مسیح کے زخم ٹھیک ہوئے تھے۔ اس لیے ان بوٹیوں کو ان کی شفابخش قوت کی وجہ سے متبرک سمجھا جانے لگا۔ یہ بھی خیال

کیا جاتا تھا کہ جادو کے ذریعہ سے ان بوٹیوں میں سے شفا بخش قوتیں نکلتی تھیں، جس کی بنا پر اس بات کی تصدیق ہوتی تھی کہ ان بوٹیوں کی ابتدا متبرک جگہ سے ہوئی تھی۔

باب ۳

حضرت مسیحؑ کی "دُوسری زندگی"

"اور اگر مسیح نہیں جی اٹھا، تو ہماری منادی بھی بے فائدہ ہے اور تمہارا ایمان بھی بے فائدہ۔ بلکہ ہم خدا کے جھوٹے گواہ ٹھہرے، کیونکہ ہم نے خدا کی بابت یہ گواہی دی کہ اس نے مسیح کو جلا دیا؛ حالانکہ نہیں جلایا۔ اگر بالفرض مُردے نہیں جی اُٹھتے۔"

(۱ کرنتھیوں ۱۵: ۱۴، ۱۵)

اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ کس طرح مسیح زخموں کے ٹھیک ہونے کے بعد قبر کو چھوڑتے ہیں اور دشمنوں سے بچ کر دنیا میں کس طرح اپنی زندگی کا ایک نیا دور شروع کرتے ہیں۔ بائیبل بتاتی ہے کہ حضرت مسیح قبر سے نکلنے کے بعد ایک روح کی بجائے جسمانی صورت میں حواریوں پر ظاہر ہوتے ہیں۔ جب انہوں نے قبر کو چھوڑا تو انہیں اس کے مُنہ پر سے پتھر کو ہٹانا پڑا۔ اس کے بعد وہ اپنے حواریوں کو ملے، گلیل کی طرف سفر کیا، روٹی اور مچھلی کھائی، اپنے جسم پر (صلیب کے) زخموں کو دکھایا اور پھر وہ چپکے سے پلاطوس کے دائرۂ اختیار سے نکل کر مشرق کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس کے لیے ہم دلائل دیں گے۔

سب سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مسیح کے آسمان کی طرف اُٹھ جانے کے واقع کو لیں۔ اس سلسلہ میں ہم جُملہ معلومات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ کیا ایسا وقوع پذیر ہوا اور اس کو کیسے سمجھا جائے۔ اس خیال سے کہ اس موضوع پر جس حد تک ممکن ہو واقعاتی رنگ میں بحث کی جائے۔ میں سب سے پہلے ڈاکٹر ہربرٹ ہاگ کی بائیبل کی لغت (۱۹۵۱ء) سے رفع مسیح پر مضمون سے اقتباس درج کرتا ہوں۔

"کوہِ زیتون سے یسوع کا زندہ جی اٹھنے کے چالیس دن کے بعد ظاہرہ طور پر آسمان کی

طرف اٹھنے کا ذکر لوقا نے رسولوں کے اعمال کے شروع میں کیا ہے اور پھر اس کا خلاصہ اپنی انجیل کے آخر پر دیا ہے (لوقا ۲۴ : ۵۱) یہ ممکن نہیں کہ اس واقعہ کے متعلق اوائل کی تفصیلات کو بعد کی اختراع کہا جائے جیسا کہ بعض نقادوں نے کہا ہے، کیونکہ رسولوں کے اعمال (۱: ۱تا۱۱) کے ادبی تانے بانے کو دیکھتے ہوئے یہ بات اس نقطہ نگاہ سے مطابقت کھاتی ہے کہ لوقا نے یہ کتاب ساری کی ساری خود ہی لکھی تھی، نہ ہی یہ دلیل پکڑ نا ممکن ہے کہ اعمال ۱: ۲ اور لوقا ۱۴ : ۵۱ میں رفع مسیح کا بالکل کوئی ذکر ہی نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ بعض مغربی مجموعوں کے نسخوں میں بھی اس واقعہ کا ذکر موجود نہیں جس کی وجہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ متن میں بعد میں تبدیلی کر دی گئی، اس لیے اس واقعہ کے متعلق دونوں تفصیلی بیانات خود لوقا کے ہیں جو اپنی انجیل کے آخر پر رفع کا مختصر ذکر کرنے کے بعد اعمال کے شروع میں مزید بتاتا ہے کہ جی اُٹھنے اور رفع میں چالیس دن کا وقفہ تھا۔ لوقا کوہ زیتون پر واقعات کو جس طرح جغرافیائی صحت کے ساتھ بیان کرتا ہے (اعمال ۱ : ۱۲) بیت عنیاہ کے قرب وجوار میں (لوقا ۲۴ : ۵۰) اس سے واضح طور پر یہ سمجھ میں آجاتا ہے کہ اس کے لیے یہ ایک خاص تاریخی واقعہ ہے جو اس کے حافظہ میں محفوظ ہے اور وہ اس کو بیان کر رہا ہے مقامی روایات سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ واقعہ پہاڑ کے بلند ترین مقام پر ہوا اور پھر یہی جگہ چوتھی صدی عیسوی میں متبرک سمجھی جانے لگی۔

عہد نامہ جدید کی اناجیل کے مصنفوں میں سے لوقا ہی وہ واحد مصنف ہے جو حضرت مسیح کے آسمان کی طرف رفع کو ایک ایسی ظاہر و باہر صورت میں پیش کرتا ہے جو وقت اور زمانہ کے اعتبار سے سمجھ میں آسکے۔ عہد نامہ جدید کے دیگر مصنفین نے تو صرف اس بات پر اکتفا کیا کہ جی اٹھنے کے فوری نتیجہ کے طور پر ذی رُوح مسیح آسمان پر چلے گئے، جہاں وہ خدا کے داہنے ہاتھ پر بیٹھ گئے اور ان کی شان و شوکت آسمانی طاقتوں سے بڑھ کر ہو گئی۔ اور وہاں سے وہ اپنی "آمدِ ثانی" کے وقت ضرور واپس آئیں گے۔ آسمان میں ان کا قیام لازمی طور پر حضرت مسیح کے رفع کو لازم کر دیتا ہے۔ اگرچہ اس بات پر مصنفین عموماً خاموشی اختیار کر جاتے ہیں اور جو (مصنفین) اس کا ذکر خصوصیت سے کرتے ہیں تو وہ زیادہ تر اسے ایک عقیدہ کے طور پر بیان کرتے ہیں، نہ ایک واقعہ کے بیان کے طور پر جس کو انہوں نے خود دیکھا ہو۔

لوقاؔ کی غیر معمولی شہادت نے ابتدائی عیسائی روایات پر گہرا اثر چھوڑا ، جو اس سے بیشتر غیر یقینی اور تذبذب کا شکار تھیں ۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اعمال میں درج واقعہ کی تفصیلات کا پادریوں کو علم کہیں جاکر چوتھی صدی عیسوی میں ہوتا ہے ۔ اس سے بیشتر کچھ تو اس کا بالکل ذکر ہی نہیں کرتے ۔

اور جو اس کا ذکر کرتے بھی ہیں وہ اس کی تاریخ اور نوعیّت کے متعلق اتفاق نہیں کرتے درا صل چند ایک ہی ایسے ہیں جنھوں نے رفع کی نوعیّت کے متعلق صحت کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ اس سلسلہ میں پھر ایسی تفصیلات بیان کرتے ہیں جو تاریخی حقائق کے خلاف ہیں ۔ رفع کی تاریخ کے متعلق بہت سی شہادتیں ملتی ہیں ، لیکن ان میں بھی کئی ایک نمایاں اختلافات موجود ہیں ۔ مثلاً لوقا ۲۴ : ۵۱ ، یوحنا ۲۰ : ۱۷ ، سینٹ پطرس کی انجیل ۵۶ ، برنباس ۱۵ : ۹ ، کوہ طور کے متی کے قلمی نسخہ میں ۱۶ : ۴ بن یامین کی شہادت ۹ : ۵ اور ارسطائڈز کا معذرت نامہ ۱۵ : ۲ اس واقع کو عید فسح کے دن ہونا بتلاتے ہیں ۔ دوسرے اس کو اٹھارہ ماہ بعد کا واقعہ بتاتے ہیں ۔ (مثلاً اسایاہ کا رفع ۹ : ۱۶ ، والنٹائن اور فائٹس کے نزدیک ، ارانیس ۱۳ : ۲ ، ۳۰ : ۱۴ کی رو سے) لیکن صوفیہ پسٹس ۱ : ۲ اور جیو کی کتاب ۴۴ کی رو سے یہ واقعہ کہیں بارہ سال بعد میں ہوا ۔ بعض عیسائی مذہبی مفکرین جسٹن ، ٹرٹولین ، یوسیبس اور جیروم کبھی تو یہ کہتے ہیں کہ یہ واقع رفع اسی دن ہوا جس دن حضرت مسیحؑ دوبارہ زندہ ہوئے تھے ، لیکن کبھی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ تقریباً چودہ دن بعد ہوا ۔

واقعہ رفع کی ماہیت اور تاریخ کے متعلق جو اختلاف اوائل کی عیسائی روایات میں پایا جاتا ہے اس کی بنا پر بہت سے ناقدین نے اس واقعہ کو ہی محض ایک افسانہ قرار دیا ہے جس کے ذریعہ تدریجاً مسیحؑ کی آسمان پر شاندار کامیابی کا ایک نیا عقیدہ گھڑ لیا گیا ۔ اس نظریہ کی رو سے پہلے مسیح کی موت پر اس شاندار کامیابی کو خالصتاً روحانی سمجھا گیا ۔ جس کا اثر صرف ان کی رُوح پر ہوا ۔ اس لحاظ سے یہ واقع ان کی موت کے فوراً بعد ہوا ۔ (سینٹ پال کی انجیل ۱۹) لیکن بعد میں بعض ظاہری خامیوں کو دُور کرنے کی غرض سے یہ کوشش کی گئی کہ اس (فتح) کو جسمانی قرار دیدیا جائے اور اس میں مسیحؑ کے جسم کو بھی شامل کر لیا جائے اور اس جسم کو اس صورت میں پیش کیا جائے جو ایک ہی وقت میں (روحانی

(رنگ میں) انسانی ادراک میں آسکے اور عام انسانی جسم کی طرح کھاتا اور پیتا ہوا بھی نظر آئے اس سے خالی قبر کی افسانوی کہانی وجود میں آئی اور یہ کہ وہی جسم ظاہری شکل میں آسمان کی طرف گیا۔

اس بات سے قطع نظر کہ ایسے نظریات عہد نامہ جدید کی واقعاتی تفصیلات کی تاریخی وسعت سے انصاف کا حق ادا نہیں کرتے بلکہ ایک لحاظ سے ان کی قدر و قیمت کو کم کر دیتے ہیں کیونکہ ان میں حیاتِ جاودانی کے تصوّر کو اپنایا گیا ہے، جو سامی سے زیادہ یونانی طرزِ فکر کے قریب ہے۔ احبار اور پھر خود حواریوں کے نزدیک مسیح کی موت پر فتح اپنے جسم پر فتح کے بغیر ناممکن تھی اور گناہ جسم اور رُوح دونوں پر بُرے اثرات مرتب کرتا ہے یا یوں سمجھیے جسم کے ذریعہ رُوح پر اثر انداز ہوتا ہے۔ حضرت مسیحؑ نے کفّارہ کے عمل کے ذریعہ گناہ پر فتح حاصل کی اور اس طرح انہوں نے جسم اور رُوح دونوں کی اصلیت و سالمیت بحال رکھی۔ بلاشبہ مسیحؑ کے اوائل کے حواری اگر یہ مانتے تھے کہ مسیحؑ نے گناہ اور موت پر قطعی فتح حاصل کر لی تھی تو ان کا یہ ماننا اس رنگ میں ہوگا کہ ان کے جسم کو دوبارہ جی اٹھ کر اور خدائی جلال میں داخل ہونے کی وجہ سے ایک فتح حاصل ہوئی تھی۔ یہ عقیدہ لازمی طور پر مسیح کے زندہ جی اُٹھنے کے بعد انسانی جسم کے ساتھ حواریوں پر ظاہر ہونے کے نتیجہ میں وجود میں آیا۔ اس کے علاوہ یہ عقیدہ کہ مسیح کے جسم کو زندہ جی اٹھنے کے بعد آسمان پر ایک نئی شان نصیب ہوئی۔ رفع مسیح کے عقیدہ کا لازمی نتیجہ تھا اور اس کو ایک رنگ میں تکمیل کو پہنچاتا ہے۔

اگر یہ صحیح ہے کہ عہد نامہ جدید اور اوائل کی عیسائی روایات کی غیر یقینی کی وجہ سے ناقدین کے منفی نقطہ نگاہ کا جواز پیدا نہیں ہوتا؛ تاہم روایات میں اختلافات کی وجہ سے اس معمّہ کی طرف زیادہ توجہ دینے اور اس کا گہرا مطالعہ ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں جیسا کہ ظاہر ہے کہ دو واقعات میں ہمیں واضح طور پر فرق کرنا پڑیگا۔ حضرت مسیح کی آسمانی سرفرازی اور خدا باپ کے پہلو میں جا کر بیٹھنا۔ ۲۔ کوہ زیتون سے مسیح کا ظاہری صورت میں رفع۔

۱۔ حضرت مسیح کی آسمان پر سرفرازی یا عظمت مذکورہ عقیدہ کا ایک لازمی جزو ہے۔ انکے جسم کو مسائل معاد یعنی مابعد الحیات ایمانیات کے زمرہ میں شامل کر کے بہتر اُخروی زندگی کی امید، دنیاوی شان و شوکت کو بڑھانے اور آخر کار ذریعہ نجات بنا کر موثر نتائج حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ ایک نئی دُنیا کی تعمیر کی بنیاد ہے جس کا احیاء

جسمانی رنگ میں بھی مسیح کی قربانی کے ذریعہ کیا گیا۔ اس مذکورہ نئی دنیا میں مسیح کا ذی شان جسم بطور ایک اساسی کلیہ کے ہے، جس کے ذریعہ مسیح کے ماننے والوں اور پھر ساری دنیا کی جسمانی نشوونما ہوئی۔ اس سلسلہ میں یہی کافی نہیں کہ حضرت مسیح کا جسم قبر سے فتح نصیب ہو کر نکلا، بلکہ اس کو خدائی زمرہ میں شامل ہونا چاہیے، تاکہ وہ ہم سب کو اس کی (برکات) میں شامل کر سکے۔ یہ دُنیا ہمیشہ کے لیے ہے اور انسانی تصوّر کے لیے ناگزیر ہے یعنی اس دُنیا سے پرے جنّتی دنیا کا وجود ہے۔ خدائی جلال میں اس طریق پر شمولیت قطعی طور پر ایک مافوق الفطرت تجربہ ہے، جو انسانی ادراک کے تجربہ سے ماوراء ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوقا سمیت عہد نامہ جدید کے مصنفین نے اس کو بیان کرنے سے اجتناب کیا ہے! تاہم یہ ایک حقیقی "تاریخی" واقعہ ہے جو ایک خاص وقت وقوع پذیر ہوا۔ ظاہر ہے یہ وقت مسیح کے زندہ جی اُٹھنے کے علاوہ اور کوئی ہو نہیں سکتا۔

جونہی مسیح کا جسم رُوح القدس کی طاقت کے ذریعے قبر کو چھوڑتا ہے اس کا تعلق بعدالموت کی جلالی دُنیا سے ہو جاتا ہے اور وہ اس میں پوری تمکنت سے داخل ہوتا ہے۔ عہد نامہ جدید کی اکثر متعلقہ عبارتوں میں مسیح کے زندہ جی اٹھنے اور ان کے خدا کے داہنے ہاتھ پر بیٹھنے کو ایک ہی شاندار کامیابی کی دو ناقابلِ فصل صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

یوحنّا ۲۰ : ۱۷ میں اسی قسم کا پیغام مسیح مریم مگدلینی کو دیتے ہیں کہ اب وہ پہلے کی سی حالت میں نہیں ہیں، جبکہ وہ ان کو جسمانی طور پر چھو سکتی ہیں اور اسی حالت میں وہ اسے ہدایت کرتے ہیں کہ وہ ان کے حواریوں کو یہ اطلاع دے کہ ان کا رفع اب بالکل قریب ہے۔ دراصل اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے حواریوں پر ظاہر ہوتے ہیں (یوحنّا ۲۰ : ۱۹، ۲۹) تو یہ ان کے رفع کے بعد ہوا ہوگا۔ یعنی اپنے خدا باپ سے واپس آنے کے بعد وہ اپنے غیر فانی ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس عبارت سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ (مسیح کے) زندہ جی اٹھنے اور ان کے رفع کے درمیان تھوڑا سا وقفہ ضرور ہے جس کو کافی حد تک معلمانہ دینی نقطہ نظر سے بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۲۔ کوہ زیتون پر جسمانی مظاہرہ کسی طرح بھی اس پہلی اور فیصلہ کن فتح کی نفی نہیں کرتا جس کو عید فسح کے دن ہونا ہی تھا۔ دراصل یہ واقعہ جیسا کہ لوقا کے بیان سے ظاہر ہے ایک بالکل ہی مختلف نوعیت کا ہے اور رفع سے متعلق اناجیل میں مسیح کے جنت میں تزک و احتشام اور عظیم کامرانی کے ساتھ

داخلہ کی تفصیلات بیان کرنے کی بجائے بعض یونانی روایات کی طرح انسانوں اور دیوتاؤں کے رفع کو بیان کر دیا گیا ہے۔ لوقا نے صرف مسیح کے آخری رخصت کے واقعہ کو زیادہ صحت سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ لوقا کا اس واقعہ کے متعلق محتاط اور روایتی بیان یہ تاثر دینے کی کوشش ہے، گویا مسیحؑ کے ساتھ روزمرہ کے طریق گفتگو کا وقت جاتا رہا اور اب ان کی واپسی مقررہ آمدِ ثانی سے پہلے نہ ہوگی۔ اس سلسلے میں فرشتے اور حواریوں کے الفاظ اور بادل جو لبعد الموت عقیدہ کے روایتی تصوّر کے مظاہر کے علاوہ کچھ نہیں۔
(لوقا ۲۱: ۲۷، مرقس ۱۴: ۶۴، وحی ۱: ۷-۱۱، ۱۲، ۱۴، ۱۴: ۱۴، تھسلینکیوں کے نام پہلا خط ۴: ۱۷)

اسی طرح چالیس دنوں کو خالص لغوی معنوں میں نہیں بلکہ ایک روایتی انداز بیان کے طور پر لینا چاہیے۔ شاید لوقا نے ان چالیس دنوں کو وہ دن شمار کیا ہو جو مسیحؑ نے دعوت وارشاد سے پہلے ریگستان میں گذارے تھے۔ (لوقا ۴: ۲) لوقا کو جو بات سب سے زیادہ متفکر کئے ہوئے تھی وہ مسیح کا زندہ اُٹھنے کے بعد آخری بار ظاہر ہونا تھا جو اس سے پیشتر کا واقعہ ہے اور اسی کی بنا پر یوم خمیس منایا جاتا ہے۔ جب مسیحؑ کے جی اٹھنے کے پچاس دن کے بعد رُوح القدس کا ظہور ہوا اور زمین پر خدا کی بادشاہت کے عمل کا آغاز ہوگیا۔ کوہ زیتون کا ذکر صرف لوقا میں آتا ہے اس سے مسیحؑ کی پہلی دفعہ اور یقینی شاندار رفع کی تنقیص نہیں ہوتی جس کو اسی دن ہونا تھا جس دن مسیح زندہ جی اٹھے تھے، بلکہ اس سے اس بات کی تکمیل اور تصدیق ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ عیسائی روایات اور خاص طور پر مذہبی رسومات اس امر کا عملی ثبوت مہیّا کرتی ہیں کہ مسیحؑ کا جسمانی صورت میں ظاہر ہونا موت پر فتح اور ان کے آسمان پر موجود ہونے اور ایک خاص مرتبہ اختیار کرنے کا آخری مظاہرہ تھا جس کی خوشی عید الفسح کے دن منائی جاتی ہے اور اس کے بعد یوم خمیس کا انتظار ہوتا ہے جس دن افضال کا نزول ہوتا ہے۔

بائیبل کی لغت کا ہسپانوی زبان میں ایڈیشن پروفیسر آر۔ پی سیراپن ڈی اد سیجو نے تیار کیا تھا۔ اس نے رفع کے بارہ میں ہاگ کے خیالات کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"ایک واقعہ کے طور پر آسمان کی طرف رفع کا اسی دن واقع ہونا جس دن مسیح زندہ جی اٹھے کچھ مافوق الفطرت سی بات ہے جو انسانی حواس کے ادراک سے باہر ہے، لیکن

کماحقہٗ یقینی، حقیقی اور تاریخی ہے۔ حقیقت میں دیکھا جائے تو کوئی انسان بھی اس کو "یقینی"، "حقیقی اور تاریخی" ماننے کو تیار نہیں جن کا ادراک انسانی حواس نہ کر سکتے ہوں۔

مندرجہ بالا تجزیہ کو بار بار پڑھنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسیح کی پر اسرار شخصیت کو ایک خوش کن اختتام دینے کے لیے انسانی ذہن کو اس امر کی ضرورت پیش آئی کہ زندہ جی اٹھنے کے بعد ان کا رفع ہو تاکہ مسیحؑ کے مسکن کو زمین سے آسمان کی طرف منتقل کیا جا سکے۔ بیشک رفع ان کے زندہ جی اٹھنے کے بغیر بے حقیقت بن کے رہ جاتا تھا، کیونکہ اول الذکر مؤخر الذکر کے لازمی نتیجہ کے طور پر ہے، اس لیے کہ رفع موثر طریق پر ثابت شدہ امر واقعہ نظر نہیں آتا، بلکہ اسے انسانی ذہن نے منطقی طریق استدلال کے ذریعہ غیر معمولی واقعہ کی شکل دی ہے۔

دوسری طرف مسیحؑ کا رفع نہ ہوتا اگر اس سے پیشتر وہ جی نہ اُٹھے ہوتے اور اسی طرح دلائل کے رنگ میں دیکھا جائے تو وہ جی نہ اُٹھتے اگر ان کی وفات صلیب پر واقع نہ ہوتی ہوتی۔

اس خاص مرحلہ پر بائیبل کی لغت میں سے جی اُٹھنے کے بارہ میں عبارت کو درج کرنا مناسب ہوگا:

"حضرت مسیحؑ کا جی اُٹھنا عیسائی تعلیمات کی بنیاد ہے اور عیسائیت کے لیے فیصلہ کن حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن اس کا ثبوت صرف عیسائی ذرائع ہی ہیں۔"

چاروں اناجیل جی اٹھنے کے اصل واقعہ کا حوالہ نہیں دیتے، جس کے متعلق ہمیں بتایا جاتا ہے کہ وہ چشم دید گواہوں کے سامنے واقع نہیں ہوا، بلکہ اس کا تعلق خالی قبر کے انکشاف سے ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جی اٹھنے کے بعد مسیح اپنے حواریوں سے ملتے ہیں۔ ان مذکورہ واقعات سے مشکلات پیش آتی ہیں کیونکہ ان میں بہت کم یکسانیت پائی جاتی ہے اور ان کی تفصیلات میں بہت سے ظاہری تضاد ہیں۔

سینٹ توما کہتے ہیں کہ حواریوں کے لیے بھی مسیحؑ کا جی اٹھنا چند نہایت قابل وثوق نشانات اور دیگر شواہد کے ذریعہ ظاہر ہوا (جیسا کہ عہد نامہ عتیق میں فرشتوں نے پیشگوئی کی تھی) جو ظاہرہ طور پر تو جی اٹھنے کے واقعہ کا پتہ نہیں دیتے، لیکن مستند ہونے کی بنیاد ہیں۔ ——— عیسائیوں کے عقائد کی بنیاد ان باتوں پر ہے جن کی تعلیم حواریوں نے انہیں دی۔ پس جی اٹھنا حقیقی ہے لیکن ایک سربستہ

عقیدہ کے طور پر، ایسا نہیں جس کو تاریخ کے سائنسی طریق کے ذریعہ سے یقینی طور پر ثابت کیا جا سکے۔ صرف حواریوں کا ایمان ہی ان کے جی اٹھنے پر ایک تاریخی ثبوت ہے۔

آئیے اب ہم واپس لوٹیں اور دیکھیں کہ مسیح قبر سے نکلنے کے بعد کہاں جاتے ہیں۔ سب سے پہلے وہ مریم مگدلینی اور اس کی ساتھی خاتون سے ملتے ہیں جو کہ شاگردوں کو یہ بتانے جا رہی تھیں کہ انہوں نے قبر کو خالی پایا ہے اور ان کو ایک فرشتے نے بتایا ہے کہ مسیح جی اُٹھے ہیں اور گلیل کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔

" اور وہ خوف اور بڑی خوشی کے ساتھ قبر سے جلد روانہ ہو کر اس کے شاگردوں کو خبر دینے دوڑیں۔ اور دیکھو یسوع ان سے ملا اور اُس نے کہا سلام، انہوں نے پاس آکر اس کے قدم پکڑے اور اسے سجدہ کیا۔ اس پر یسوع نے کہا، ڈرو نہیں، جاؤ میرے بھائیوں سے کہو کہ گلیل کو چلے جائیں، وہاں مجھے دیکھیں گے۔"

(متی ۲۸ : ۸ تا ۱۰)

غور تو کیجئے خوف اور مسیح کی اس کو دُور کرنے کی کوشش پر غور فرمائیں۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ ان کو خوف تھا کہ کہیں مسیح کا کسی کو پتہ نہ چل جائے۔

اس کے بعد مسیح ساٹھ میل لمبے سفر پر گلیل کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ بعد میں کئی موقعوں پر وہ اپنے شاگردوں کو ملتے ہیں لیکن ہر مرتبہ وہ ان کو ایسی جگہ ملتے ہیں جہاں انہیں کوئی دیکھ نہ پاتے۔ ان سب باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح بدستور انسانی پیکر تھے اور وہ اس دوران میں یہ کوشش کرتے رہے کہ ان کا کسی کو پتہ نہ چلے اور انہیں دوبارہ گرفتار نہ کر لیا جائے۔

کیا اور بھی ایسے شواہد ہیں جن سے پتہ چلتا ہو کہ مسیح نے رُوح کی شکل اختیار نہ کی تھی؟ اس سلسلہ میں سب سے واضح اشارہ لوقا کی ذیل کی تفصیل سے ملتا ہے۔

" وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ یسوع آپ ان کے بیچ میں آ کھڑا ہوا اور ان سے کہا تمہاری سلامتی ہو، مگر انہوں نے گھبرا کر اور خوف کھا کر یہ سمجھا کہ کسی رُوح کو دیکھتے ہیں۔ اس نے ان سے کہا تم کیوں گھبراتے ہو؟ اور کس واسطے تمہارے دل میں شک پیدا ہوتے ہیں۔ میرے ہاتھ اور میرے پاؤں دیکھو کہ میں ہی ہوں مجھے چھُو کر دیکھو، کیونکہ رُوح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی، جیسا مجھ میں دیکھتے ہو۔"

(۲۴ : ۳۶ - ۳۹)

ذرا آگے دو آیتوں کے بعد مسیح فوری طور پر کہتے ہیں کہ میں بھوکا ہوں۔ ایسا تو ایک غیر مرئی ہستی یا روح کے متعلق سوچا بھی نہیں جا سکتا۔

"جب مارے خوشی کے ان کو یقین نہ آیا اور تعجب کرتے تھے تو اس نے ان سے کہا کہ یہاں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے اُسے بھنی ہوئی مچھلی کا قتلہ دیا۔ اس نے لیکر ان کے روبرو کھایا۔"

(لوقا ۲۴ : ۴۱-۴۳)

یوحنا کی انجیل میں ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح اپنے شاگردوں کو اپنے زخم دکھاتے ہیں اور وہ توما کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ انہیں چھوئے۔

"پھر اس نے توما سے کہا اپنی انگلی پاس لاکر میرے ہاتھوں کو دیکھ اور اپنا ہاتھ پاس لاکر میری پسلی میں ڈال اور بے اعتقاد نہ ہو، بلکہ اعتقاد رکھ۔ اور توما نے جواب میں اس سے کہا، اے میرے خداوند، اے میرے خداوند۔"

(یوحنا ۲۰ : ۲۷، ۲۸)

واضح ہے کہ اگر ہمارا نظریہ درست ہے تو جلد یا بدیر مسیح کو فلسطین کو چھوڑنا ہوگا جہاں وہ خطرہ میں تھے اور یہی حقیقت ہے؛ چنانچہ انہوں نے بھیس بدلا۔ مرقس کی انجیل اس کے متعلق یوں بیان کرتی ہے :

"اس کے بعد وہ دوسری صورت میں ان میں سے دو کو جب وہ دیہات کی طرف پیدل جا رہے تھے، دکھائی دیا۔" (۱۶ : ۱۲)

اس وقت کے پیش آمدہ حالات کے پیش نظر ایسا دکھائی دیتا ہے کہ مسیح ذہنی اور جسمانی طور پر کافی تھک چکے تھے اور ان کے لیے ہجرت کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

جیسا کہ ہم اگلے باب میں دیکھیں گے کہ انہیں ابھی مشن کے ایک حصّہ کو پورا کرنا تھا یعنی بنی اسرائیل کے گم شدہ قبیلوں کو تلاش کرنا اور ان کی حفاظت کرنا۔ اگر ان کی موت صلیب پر ہی واقع ہو جاتی تو ان کا مشن پورا نہ ہوتا، اس لیے شاگردوں سے آخری بار رخصت ہونے کے بعد وہ مشرق کی طرف روانہ ہو گئے۔

بنی اسرائیل کے گمشدہ قبائل کی تلاش میں

بائبل کے مطابق مسیح کا سب سے بڑا کام شریعت کو پورا کرنا اور بنی اسرائیل کے قدیم

گمشدہ قبائل کو نجات دلانا تھا۔ اس باب میں ہم زیادہ تر گمشدہ قبائل سے متعلق مسیحؑ کی تبلیغی مساعی کا ذکر کریں گے۔

لوقا میں درج ہے "کہ ابنِ آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا ہے۔" (۱۹ : ۱۰) پھر اسی انجیل میں آگے چل کر مسیحؑ اپنے شاگردوں سے کہتے ہیں :

"اور جیسے میرے باپ نے میرے لیے ایک بادشاہی مقرر کی ہے۔ مَیں بھی تمہارے لیے مقرر کرتا ہوں، تاکہ میری بادشاہی میں میری میز پر کھاؤ پیو بلکہ تم تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کرو گے۔" (۲۲ : ۲۹، ۳۰) متی کی انجیل میں وہ شاگردوں کو خاص طور پر ہدایت کرتے ہیں "غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا، بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔" (۱۰ : ۵، ۶) ظاہر ہے ان کو خود بھی گمشدہ قبائل کی تلاش میں جانا تھا لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کہاں تھے ؟

آئیے بنی اسرائیل کی گذشتہ تاریخ کی طرف لوٹیں۔ بائیبل ہمیں بتاتی ہے کہ اسرائیل کا نام حضرت یعقوبؑ کو ایک عجیب وغریب مخلوق نے انہیں دیا تھا جس کے ساتھ ان کی کشتی کا مقابلہ یبوک کی ندی کے پاس ہوا تھا۔ (پیدائش ۳۲ : ۲۲-۳۲) یا یہ نام خدا نے حضرت یعقوبؑ کو اس وقت دیا جب وہ ان پر بیت ایل کے مقام پر ظاہر ہوا (پیدائش ۳۵ : ۹-۱۰) بنی اسرائیل درحقیقت حضرت یعقوب کی اولاد میں سے ہیں۔ یشوع مصر سے خروج کے بعد بنی اسرائیل کو اپنی رہنمائی میں موعودہ سرزمین کو لے گیا۔ اور زمین کو بارہ قبیلوں میں تقسیم کر دیا۔ یہودہ اور بن یامین کے قبائل دریائے اردن کے جنوبی حصہ پر اور باقی کے قبائل اس کے شمالی اور مشرقی کنارے پر آباد ہو گئے۔ کچھ عرصہ جب قاضیوں نے حکومت کی اور یشوع ان میں سے ایک تھے تو بنی اسرائیل نے ساؤل کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔ اس کے بعد حضرت داؤد بادشاہ بنے انہوں نے کئی فتوحات کیں اور یروشلم کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔ حضرت داؤد کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمان تخت پر بیٹھے، جنھوں نے وہاں ایک عظیم الشان ہیکل یہودہ (بائیبل میں خدا کا نام) کے نام پر تعمیر کیا۔ اپنے دورِ حکومت کے آخری دنوں میں حضرت سلیمانؑ بہت جابر حاکم ثابت ہوئے، اس لیے جب ان کا بیٹا رحبعام جانشین ہوا اور اس نے ارادہ کیا کہ وہ پہلے سے بھی زیادہ سختی کریگا، تو سلطنت دو حصوں

میں بٹ گئی۔ یہودہ اور بن یامین کے قبائل (جو سلطنت یہودہ کہلائی) رحبعام کے وفادار رہے۔ باقی کے دس قبیلوں نے الگ اسرائیل کی سلطنت قائم کی اور سماریہ کو دارالخلافہ بنالیا اور یربعام اس کا پہلا بادشاہ بنا۔

لازمی بات ہے کہ ان دونوں سلطنتوں کے درمیان تعلقات کشیدہ تھے۔ چند سالوں میں ہی ان کے مابین جنگ چھڑ گئی اور جبتک اسرائیل ایک خود مختار سلطنت کے طور پر قائم رہی یہ دشمنی مسلسل قائم رہی۔ اسرائیل کے منتقم بادشاہ پیکاہ نے شام کے بادشاہ رہزن سے اتحاد قائم کر لیا اور یہودہ پر حملہ کر دیا۔ اس کو بڑی فتح نصیب ہوئی اور اس نے بڑی تعداد میں قیدی بنا لیے۔ اس کے مقابل پر یہودہ کے بادشاہ نے اسیریا کے شاہ تغلث پیلزر سے امداد طلب کی اور اس کے لیے معاوضہ بھی ادا کیا۔ پیکاہ اور رہزن اس جنگ میں مارے گئے۔ اب اسرائیل آہستہ آہستہ اسیریوں کے قبضہ میں آنے لگا۔ وہ اپنے دستور کے مطابق مفتوح لوگوں کو بڑی تعداد میں لے گئے اور اسیری سلطنت کے دوسرے حصّوں سے لوگوں کو بلا کر ان مقبوضہ علاقوں میں آباد کرنا شروع کر دیا۔ یہ نئے آباد ہونیوالے سماری قوم بن گئی جن کے بارہ میں سلطنت یہودہ کے یہودی ان سے سخت دشمنی رکھتے تھے؛ تاہم تقریبًا ڈیڑھ سو سال بعد بابل کے بخت نصر نے جو اس دوران میں اسیریا میں کافی عروج حاصل کر چکا تھا اس نے یہودہ کو قبضہ میں لے لیا اور یروشلم اور ہیکل سلیمانی کو تباہ کر دیا۔

"اور جو تلوار سے بچے وہ ان کو بابل کو لے گیا اور وہاں وہ اس کے اور اس کے بیٹوں کے غلام رہے، جبتک فارس کی سلطنت شروع نہ ہوئی"   (۲ تواریخ ۳۶:۲۰)

اس کے ساتھ ہی یہودیوں کی تاریخ میں ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ جب شاہ فورس نے بابل پر قبضہ کر لیا اور ایک اعلان کے ذریعہ یہودیوں کو یروشلم واپس آنے کی اجازت دیدی۔ اور یہ کہ وہ ہیکل کو دوبارہ تعمیر کریں (عزرا ۱:۱-۴) تاہم بہت کم لوگ واپس گئے اور یہ لوگ سلطنت فارس کے ماتحت رہے اس میں فلسطین بھی شامل تھا۔ فورس کے جانشین دارا نے سلطنت کو اور وسعت دی جو اپنے نقطہ عروج پر یونانی جزائر سے انتہائی مشرق میں ہندوستان تک (جس پر دارا نے ایک بڑی فوج کے ساتھ حملہ کیا تھا) اور بحر ہند سے لیکر انتہائی شمال میں بکتریہ (یعنی افغانستان) تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس سلطنت کو یونانیوں، سائیھیوں، پارتھیوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، جن کی سلطنت جانب مشرق کشمیر میں

دریائے جہلم تک پھیل چکی تھی۔

اگرچہ بائیبل میں یہ تفصیلات تو موجود ہیں کہ کس طرح بچے کھچے ملک بدر یہودی واپس فلسطین آئے، لیکن یہ کہیں ذکر نہیں کہ اس طرح سلطنت اسرائیل کے دس قبیلے بھی (جو سلطنت یہوؔ سے الگ تھے) واپس آئے ہوں، البتہ ٹومس ہالڈچ اپنی کتاب "دی گیٹس آف انڈیا" میں یہ لکھتا ہے کہ دس قبائل اسیری سلطنت کی تباہی کے بعد ایک سو سال کے عرصہ میں قدیم عراق اور آرمینیا کے رہنے والوں سے گھُل مِل چکے تھے اور (ایسا دکھائی دیتا ہے) کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

اگرچہ عہدنامہ عتیق کی غیر شرعی کتب اس بارہ میں خاموش ہیں کہ ان دس قبیلوں پر جلاوطنی کے بعد کیا گذری؛ تاہم ایک غیر مستند انجیل ۲ اسدراز ۱۳ : ۲۹-۳۶ میں یہ ذکر موجود ہے کہ وہ کبھی اپنے وطن واپس نہ آئے، بلکہ مشرق کی طرف اور بڑھتے چلے گئے۔ اس میں یہ ذکر بھی بھی موجود ہے کہ وہ اسارتھ تک جا پہنچے، جہاں پہنچنے کے لیے انہیں ڈیڑھ سال کا عرصہ لگا۔ بالآخر وہیں آباد ہو گئے۔ الحاج خواجہ نذیر احمد نے اپنی مبسوط کتاب "جیسس ان ہیون آن ارتھ" میں اس امر کی جانب توجہ دلائی ہے کہ "طبقات نصیری" میں یہ ذکر موجود ہے کہ خاندان سنیاسی کے عہد حکومت میں "اسارتھ" میں ایک قوم رہتی تھی جنھیں بنی اسرائیل کہا جاتا تھا اور وہ زیادہ تر تجارت پیشہ لوگ تھے۔ اس کے بعد خواجہ نذیر احمد ٹومس لڈلی کے مضمون "مور لیڈلین" (کلکتہ ریویو، جنوری ۱۸۹۸ء) کا حوالہ دیتے ہیں جس میں اس نے افغانیوں کی ابتدائی تاریخ کے ضمن میں یہ لکھا ہے کہ "اسارتھ" کا تعلق شمالی پاکستان کے ضلع ہزارہ سے ہے۔ یہ ضلع کشمیر کی سرحد پر واقع ہے، لیکن قدیم زمانہ میں یہ علاقہ سندھ طاس سے کیلاش تک پھیلا ہوا تھا جو اب کشمیر کا علاقہ شمار ہوتا ہے۔

اس کے بعد خواجہ نذیر احمد کافی تفصیل سے اس امر پر بحث کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں فاتح قومیں اکثر اپنے نئے مقبوضہ علاقوں میں اپنی ہی سلطنت کے مختلف علاقوں سے لوگوں کو لاکر آباد کیا کرتی تھیں تاکہ تہذیب اور تجارت کے نئے مراکز قائم ہو سکیں۔ خواجہ صاحب کے نزدیک یہ بات عین ممکن ہے کہ تغلت پلینسر یا اس کے ایک آدھ سے زیادہ جانشینوں نے اسرائیلی قوم کے کسی حصہ کو مشرق میں لاکر آباد کیا ہو۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تغلت پلینسر، دارا اور سکندر اعظم فتوحات کرتے ہوتے ہندوستان کی مغربی سرحدوں

تک پہنچ گئے تھے یعنی پنجاب اور وادی سندھ طاس تک، اس لیے اگر دس قبائل کے لوگ اس بڑھتی ہوئی افواج کے ساتھ مشرق کی طرف گئے تھے یا مشرقی سرحدی علاقوں میں آباد ہو گئے تھے، تو ان علاقوں میں بے کم وکاست ہمیں اس بات کے شواہد ملنے چاہئیں۔ آخر میں خواجہ نذیر احمد لکھتے ہیں کہ اس بات کے قوی امکانات موجود ہیں کہ دس گمشدہ قبائل کی نسل کے لوگ افغانستان، گاگھر، بخارا، سمرقند، خراسان، کوہ کندا اور تبت نیز مغربی چین و ہندوستان، شمالی پاکستان اور کشمیر میں پائے جانے چاہئیں۔ اسی طرح قدیم عراق اور اس سے آگے مغرب کی طرف اسرائیلی نسل کے لوگ ابھی تک موجود ہیں۔ یہ ایک غیر معمولی اہمیت کی بات ہے کہ اسرائیلی نسل کے وہ لوگ جو فلسطین، عرب، ترکی، قدیم عراق اور ایران میں رہتے ہیں اپنے آپ کو یہودی کہتے ہیں، لیکن جو ایران کے مشرق میں رہتے ہیں وہ اپنے آپ کو بنی اسرائیلی کہلاتے ہیں۔

آیئے اب ان عبارتوں کا مطالعہ کریں جو افغان اور کشمیریوں کو اسرائیلی نسل سے بتاتی ہیں:

کتب جو افغان اور کشمیریوں کو اسرائیلی نسل سے ہونا ثابت کرتی ہیں۔

بختاور خاں اپنی کتاب "مراۃ العالم" میں نہایت تفصیل سے افغان لوگوں کے ان سفروں کا بیان درج کرتے ہیں جو انہوں نے موعودہ سرزمین سے غور، غزنی، کابل اور افغانستان کے دوسرے مقامات کی طرف اختیار کیے۔ اس سلسلہ میں دو کتابیں "تاریخ افغانہ" از نعمت اللہ اور "تاریخ حافظ رحمت خانی" مصنفہ حافظ محمد صدیق میں افغان لوگوں کی تاریخ کا تجزیہ کیا گیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ لوگ بنی اسرائیل سے ہیں۔ اسی طرح جارج مور اپنی کتاب "دی لوسٹ ٹرائبز (گمشدہ قبائل) (۱۸۶۱) میں لکھتا ہے کہ بہت سی قدیم اسرائیلی خصوصیات دوبارہ ان لوگوں میں ظاہر ہوئی ہیں جو اپنے آپ کو بنی اسرائیل کہتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ گمشدہ قبائل کی نسل سے ہیں۔ ان کے قبائل اور ضلعوں کے قدیم اور جدید نام ان قدیم روایات کی تصدیق کرتے ہیں۔

اس امر کا مزید ثبوت اس راستہ سے ملتا ہے جو اسرائیلیوں نے میدیا سے افغانستان اور پھر ہندوستان جاتے ہوئے اختیار کیا تھا۔ ان مختلف جگہوں سے جہاں سے وہ گذرے ان کے نام بعض قبیلوں کے نام پر ہیں۔ ان سے نہ صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قبیلے وہاں

سے گذرے بلکہ اس بات کا بھی پتہ دیتے ہیں کہ سفر کافی لمبا اور کٹھن تھا۔ مورمزید لکھتا ہے کہ مکمل تحقیق کے بعد سر ولیم جونز، سر جان میلکلم اور چیمبر لین اس کی رائے سے اتفاق کرتے ہیں کہ دس قبائل ہجرت کر کے افغانستان سے ہوتے ہوئے ہندوستان، تبت اور کشمیر آ گئے۔ ملا قادری نے اپنی کتاب "تاریخ کشمیر" اور ملا احمد نے "دقایہ کشمیر" میں لکھا ہے کہ یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ کشمیری بنی اسرائیل کی نسل سے ہیں۔ اسی طرح عبدالقادر بن قاضی القضاۃ واصل علیخان اپنی کتاب "حشمت کشمیر" میں یہی بات لکھتے ہیں۔ آخر میں یسوعی پادری کاٹرد کا ذکر کرتا چلوں جس نے اپنی کتاب "جنرل ہسٹری آف دی مغل ایمپائر" میں لکھا ہے کہ کشمیری یہودی نسل سے ہیں۔

مندرجہ بالا کتب کے علاوہ بے شمار کتب ہیں جو اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ افغان اور کشمیری اسرائیلی نسل سے ہیں؛ تاہم خواجہ نذیر احمد کی کتاب میں سب سے ضمنی ثبوت وہ جامع فہرست ہے جس میں انہوں نے ان قبائل، ذات اور مقامات کے نام اکٹھے کر دیے ہیں جو کشمیر اور گرد و نواح کے علاقوں میں پائے جاتے ہیں اور جن سے ملتے جلتے نام بائیبل میں بھی موجود ہیں۔ اس میں سے خلاصہ کے طور پر ایک فہرست آئندہ صفحات میں درج کی گئی ہے۔

کشمیر اور اسکے ہمسایہ ممالک میں مستعمل نام اور بائبل میں دیئے گئے ناموں میں مشابہت و مماثلت

کشمیری قبائل، انکی قومیت اور ذات کی تفصیل

*

کشمیر

نام قبائل وغیرہ	بائبل میں نام	حوالہ بائبل
عبری	عبری	۱ تواریخ ۲۴ : ۲۷
اخوان - اکوان	عکن	یشوع ۷ : ۱
امال	عمل	۱ تواریخ ۷ : ۲۵
اساعل	عساہیل	۲ تواریخ ۱۷ : ۸
اعشری	آشر	پیدائش ۳۰ : ۱۳
اعطائی	عتّی	۱ تواریخ ۱۲ : ۱۱
آذری	عزرئیل	۱ تواریخ ۵ : ۲۴
بال	بعل	۱ تواریخ ۵ : ۵
بالا، بالہ	بالاہ	یشوع ۱۹ : ۳
بجرو	بوکرد	۱ تواریخ ۸ : ۳۸
بجتو	(وادی) بُکا	زبور ۸۴ : ۶
بانیا، بانیاری	بنایاہ	۱ تواریخ ۱۱ : ۳۰

نام قبائل وغیرہ	بائبل میں نام	حوالہ بائبل
بسایا	بعسیاہ	۱ تواریخ ۶ : ۴۰
بیلو	بالع	۱ تواریخ ۷ : ۶
برا، بارہ، بورا	بیترو	۱ تواریخ ۵ : ۶
بیرو، بیارو	بیروت	۲ سموئیل ۴ : ۲
بٹیا	بطاہ	۲ سموئیل ۸ : ۸
بیلگائی	بلجہ	نحمیاہ ۱۲ : ۵
بوہن	بوہن	یشوع ۱۵ : ۶
بٹ	بیت	غزل الغزلات ۷ : ۴
کالب، قالب	کالب	۱ تواریخ ۲ : ۱۸
داند، ڈانگر	دان	۱ تواریخ ۲ : ۱
ڈار، در، دارکو	دور	۱ سلاطین ۴ : ۱۱
دارا، داراب	دارع	۱ تواریخ ۲ : ۶
داتو	داتن	گنتی ۱۶ : ۱
ڈوم	دُومہ	۱ تواریخ ۱ : ۳۰
گابا	جبی، جبع	نحمیاہ ۱۱ : ۸
		یشوع ۱۸ : ۲۴
گڈر	جدور	۱ تواریخ ۴ : ۴
گڈھ	جد	۱ تواریخ ۲ : ۲
گڈھی	جدی	گنتی ۱۳ : ۱۱
گگر	جرار	۲ تواریخ ۱۴ : ۱۳
گنائی، گانی	جونی	۱ تواریخ ۷ : ۱۳
غریب	جریب	۱ تواریخ ۱۱ : ۴۰
گومر، گامر	جُمر	پیدائش ۱۰ : ۲
گنز، گنڈو	جنتو، جِمسُو	نحمیاہ ۱۲ : ۴، ۲ تواریخ ۲۸ : ۱۸

حوالہ بائبل	بائبل میں نام	نام قبائل وغیرہ
نحمیاہ ۷ : ۵۶	خطیفا	ہاپت
اتواریخ ۶ : ۷۵	حقوق	حکاک
اتواریخ ۱۱ : ۲۸	عقیس	اکاش
اسموئیل ۱۴ : ۴۹	اِسوی	عشائی
پیدائش ۳۲ : ۲۸	اسرائیل	اسرائیل
یشوع ۱۹ : ۲۸	قاناہ	کھانہ ناسی، کھنہ، کند
اتواریخ ۲ : ۶	کلکول	کلکل
قضاۃ ۳ : ۹	قنز	کنز، کنزرو
یشوع ۱۸ : ۲۸	قریت	گنجیوت
۲ سلاطین ۲۵ : ۲۳	قریح	کار
گنتی ۲۶ : ۹	قورح	قرہ
۲ سلاطین ۱۷ : ۳۰	کوبیت	کاٹھو
یشوع ۱۵ : ۴۰	کتلیس	کچلو
پیدائش ۲۵ : ۴	قطورہ	کوترو
اتواریخ ۱ : ۱۷	لُود	لدو
اتواریخ ۲ : ۱	لادی	لادی، لادیہ
نحمیاہ ۷ : ۴۸	لبانہ	للیان
اتواریخ ۷ : ۱۴	میکیر	میکری
اتواریخ ۶ : ۴۴	ملوک	مالک
اسموئیل ۱۰ : ۲۱	مطری	ماتری
آستر ۱ : ۱۴	مرس	میر، میرہ
یشوع ۱۳ : ۴	مغارہ	میر
خروج ۱۷ : ۷	مسّہ	مہسا، مہاسہ
قضاۃ ۱۱ : ۳۳	منّیت	منٹو

نام قبائل وغیرہ	بائیبل میں نام	حوالہ بائیبل
موزا	موصا	اتواریخ ۸ : ۳۶
مشران	موشی	اتواریخ ۶ : ۱۹
مٹھو، مٹو	متّات	لوقا ۳ : ۲۹
موسیٰ	موسیٰ	خروج ۲ : ۱۰
نہرو	نحور	اتواریخ ۱ : ۲۶
نفنزو	نفج	اتواریخ ۳ : ۷
ایل، ایال	عوفل	۲ تواریخ ۲۷ : ۳
اوگر، اوگرہ	عوج	استثنا ۳ : ۱۱
پاڈہ، پڈر، پاڑ	فدون	نحمیاہ ۷ : ۴۷
پرہ	فروح	اسلاطین ۴ : ۱۷
پھلو	فلّو	پیدائش ۴۶ : ۹
پاؤ	فوّہ	ا تواریخ ۷ : ۱، گنتی ۲۶ : ۲۳
پوت، پھت	فوط	اتواریخ ۱ : ۸
ربینہ	رِنّہ	اتواریخ ۴ : ۲۰
رفو	رفو	گنتی ۱۳ : ۹
راتھر	رِتمہ	گنتی ۳۳ : ۱۸
رازدان	رزون	اسلاطین ۱۱ : ۲۳
ریشو۔رش۔ریشی	ریسا	لوقا ۳ : ۲۷
ریو	رعو	پیدائش ۱۱ : ۱۸
راول	رعُوایل	گنتی ۲ : ۱۴
سیحو	سیکو	اسموئیل ۱۹ : ۲۲
سام	سم	پیدائش ۵ : ۳۲
سپیرو	سفیر	میکاہ ۱ : ۱۱
سہم	سیغا،سیعہا	نحمیاہ ۷ : ۴۷، عزرا ۲ : ۴۴

نام قبائل وغیرہ	بائیبل میں نام	حوالہ بائیبل
شہمیری	سمیر	۱ تواریخ ۲۴ : ۲۴
شاال	ساؤل	۱ تواریخ ۴ : ۲۴
شادی	سوی	پیدائش ۱۴ : ۱۷
شوہ	سُوخہ	۱ تواریخ ۴ : ۱۱
سیلمانیہ	سیلمان	۱ سلاطین ۱ : ۳۴
تامر	تمر	۲ سموئیل ۱۳ : ۲
تیلہ	تلاح	۱ تواریخ ۷ : ۲۵
تھابل	توبل	پیدائش ۱۰ : ۲، ۱ تواریخ ۱ : ۵
تھیلو	طوفل	استثناء ۱ : ۱
تیکو	تقوع	۱ تواریخ ۲ : ۲۴
توہ	توعُو۔ توحو	۱ تواریخ ۱۸ : ۹۔ ۱ سموئیل ۱ : ۱
تولہ	تولع	۱ تواریخ ۷ : ۱
وُچھا	وفسی	گنتی ۱۳ : ۱۴
وائیں۔ وانی	ونیاہ	عزرا ۱۰ : ۲۶
یادو	یحدو	۱ تواریخ ۵ : ۱۴
زاڈو	صدوق	۱ تواریخ ۲۴ : ۳
زرتن	صرتان	یشوع ۳ : ۱۶
زرو	زراح	پیدائش ۴۶ : ۱۲
زتّو	زتّو	عزرا ۱۰ : ۲۷
زیبو	زبح	قضاۃ ۸ : ۱۰

افغانستان اور پاکستان

نام قبائل وغیرہ	بائیبل میں نام	حوالہ بائیبل
اجن	آیہ	پیدائش ۳۶ : ۲۴
امازئی	امتہ	۲سموئیل ۲ : ۲۴
امان زئی	امون	اسلاطین ۲۲ : ۲۶
ایازئی	عوا	۲سلاطین ۱۷ : ۲۴
ایوب خیل، ایوب زئی	ایوب	ایوب ۱ : ۱
ازین خیل	عزبیل	ا تواریخ ۱۵ : ۲۰
ازوریز	نعازرو	متی ۱ : ۱۳
بابو زئی	بئی	عزرا ۲ : ۱۰
بارک زئی	برق	قضاۃ ۴ : ۶
بزاک زئی	بزق	اسموئیل ۱۱ : ۸
برور زئی	بئیرہ	اتواریخ ۵ : ۶
دادو خیل، دادو زئی	داؤد	اسموئیل ۱۶ : ۱۳
گدا	جد	اتواریخ ۲ : ۲
غزنیس	غزہ	یشوع ۱۵ : ۴۷
حامرخیل	حمور	پیدائش ۳۳ : ۲۰
ہارون خیل	ہارون	خروج ۴ : ۱۴
ہوتی وال	عتّیوں	قضاۃ ۳ : ۵
ابراہیم خیل، ابراہیم زئی	ابرام	پیدائش ۱۷ : ۵
عیسیٰ خیل، عیسیٰ زئی	یسوع	متی ۱ : ۲۱
الیاس خیل	ایلیاہ	اسلاطین ۱۷ : ۱
اسحاق خیل	اضحاق	پیدائش ۱۷ : ۱۹
اورک زئی	قرقع	یشوع ۱۵ : ۳
ملاک	ملوک	اتواریخ ۶ : ۴۴

ہلی، ملازئی	عقربیم	یشوع ۱۵: ۳
ہکیری خیل	مکیر	۱ تواریخ ۷: ۱۴
مانوزئی۔	معونیم	۱ تواریخ ۴: ۴۱
مترو	مطری	۱ سموئیل ۱۰: ۲۱
مرادزئی	مرد	۱ تواریخ ۴: ۱۷
میلوزئی	ملو	۲ سموئیل ۵: ۹
موسیٰ خیل	موسےٰ	خروج ۲: ۱۰
مریم خیل	مریم	متی ۱: ۱۶
محب وال	موآب	پیدائش ۱۹: ۳۷
مذب زئی	ندب	۱ تواریخ ۶: ۳
نصاریس، نزاریئس	ناصرۃ	متی ۲: ۲۳
سام خیل	سم	پیدائش ۵: ۳۲
شودی خیل	سیوی	پیدائش ۱۴: ۱۷
سوریس	شور	خروج ۱۵: ۲۲
سلیمان خیل، سلیمان زئی	سلیمان	۱ سلاطین ۱: ۳۴
تکوزئی	تقوع	۱ تواریخ ۲: ۲۴
یحییٰ خیل	یوحنا	لوقا ۱: ۱۳
یعقوب خیل، یعقوب زئی	یعقوب	پیدائش ۲۵: ۲۶
یونس خیل	یوناہ	یوناہ ۱: ۱
یوسف زئی	یوسف	پیدائش ۳: ۲۴
زبدیس	زبد	۱ تواریخ ۷: ۲۱
ذکاخیل	زکّی	عزرا ۲: ۹
ذکریا خیل	زکریاہ	زکریاہ ۱: ۱
زازیس	زازا	۱ تواریخ ۲: ۳۳

بلتستان، گلگت، لدّاخ، پامیر، تبت اور قرب وجوار کے علاقے

اپعن	عکن	یشوع ۷ : ۱
اہیر	احیر	اتواریخ ۷ : ۱۲
الیاہی	علیاہ	اتواریخ ۱ : ۵۱
بیدھانی	بدان	اتواریخ ۷ : ۱۷
درد	دارع	اتواریخ ۲ : ۶
دورو	دور	اسلاطین ۴ : ۱۱
گہور	جبر	اسلاطین ۴ : ۱۳
لکیری	لقحی	اتواریخ ۷ : ۱۹
مکھڑی	میکر	اتواریخ ۷ : ۱۴
اوشمار	اسماعیاہ	اتواریخ ۲۷ : ۱۹
رئیس پایاں	رسف	اتواریخ ۷ : ۲۵
ریکماہ	رقم	اتواریخ ۷ : ۱۶
رزئی	رضیاہ	اتواریخ ۷ : ۳۹
سردو	سرد	گنتی ۲۶ : ۲۶
شہرزوایہ	شراصر	زکریاہ ۷ : ۲
شواہ شکی	شاشق	اتواریخ ۸ : ۱۴
شواہ شکی	سوخہ	اتواریخ ۴ : ۱۱
یودے	یہوداہ	اتواریخ ۲ : ۱
زداری	صُنعر	گنتی ۱۰ : ۱۵
زرباد	زبد	اتواریخ ۷ : ۲۱
،،	زبدی	یشوع ۷ : ۱

کشمیر اور ہمسایہ علاقے

نام جگہ	بائبل میں نام	حوالہ بائبل
اشبیل	اچھ بل، اچھ ول (اننت ناگ) اچھ ھاوہ، پلواور سرینگر۔ ایچھ کوٹ (بارہمولا) ایچھ مبل (اننت ناگ)	پیدائش ۴۹ : ۲۱
اجور	اگور، اگورو (کولگام) اچھوپور (ہندوارہ)	امثال ۳۰ : ۱
آیہ	اجس (بانڈی پور)	پیدائش ۳۶ : ۲۴
امون	امانوہ (کولگام) امانو (اننت ناگ)	اسلاطین ۲۲ : ۲۶
امریاہ	(میراہ سرینگر)	اتواریخ ۲۳ : ۱۹
عانیر	انزون (سرینگر)	اتواریخ ۶ : ۷۰
ارا	ارہ پام (اننت ناگ) آرہ گنڑو (کولگام) ارہ مولت (کولگام) ارہ بل (کولگام)	اتواریخ ۷ : ۳۸، ۳۹
ارکی	آرکھ (سرینگر)	یشوع ۱۶ : ۲
عروعیر	ارور (اونتی پورہ) آڑو (اننت ناگ و ہندوارہ)	یشوع ۱۲ : ۲
اسیما	اسم (مظفرآباد) اشم (سرینگر)	۲ سلاطین ۱۷ : ۳۰
اشور	رسو۔ ولیسو (اننت ناگ)	اتواریخ ۲ : ۲۴
عستارات	اسٹور (کولگام و گلگت)	اسلاطین ۱۱ : ۵
آون	اوند (اننت ناگ)	عاموس ۱ : ۵
بابل	بابل (اننت ناگ)	پیدائش ۱۱ : ۹
بوہن	باہن (کولگام)	یشوع ۱۵ : ۶
بعل فغور	بالہ بورہ (اونتی پورہ)	گنتی ۲۵ : ۳

نام جگہ	بائبل میں نام	حوالہ بائبل
بامن (ہندوارہ)	باماہ	حزقی ایل ۲۰ : ۲۹
بنی روت۔ قبیلہ روت (کولگام)	روت	روت ۱ : ۴
برزلہ (کولگام و سرینگر)	برزلی	۲ سموئیل ۱۷ : ۲۷
بن ہارہ (قبیلہ حام) (بارہمولا۔ ہندوارہ)	حام	پیدائش ۵ : ۳۲
برات (اننت ناگ)	بریعہ	۱ تواریخ ۷ : ۲۳
بتھ پورہ (ہندوارہ)	بیت فغور	استثناء ۳۴ : ۶
بیار (اوڑی)	بعور	پیدائش ۳۶ : ۳۲
برسو (اونتی پور۔ سرینگر)	برشع	پیدائش ۱۴ : ۲
بونا (بارہمولہ)	بعنہ	نحمیاہ ۳ : ۴
دان سوک (کولگام)	دان	۱ تواریخ ۲ : ۲
ڈورو (اننت ناگ۔ گلگت۔)	دور	سلاطین ۴ : ۱۱
گڈھ بازار (سرینگر)	جد	۱ تواریخ ۲ : ۲
گوچھن (اننت ناگ۔)	جشن	یشوع ۱۱ : ۱۶
ہرموکھ (اننت ناگ، جھڈی پورہ)	ہارا	۱ تواریخ ۵ : ۲۶
ہارون (پہاڑی جھیل نزد سرینگر۔)	حاران	۲ سلاطین ۱۹ : ۱۲
حسبل۔ ہاسبل (ہندوارہ۔)	حسبون	استثناء ۴ : ۴۶
ہوسیاہ (اننت ناگ)	ہوسیع	ہوسیع ۱ : ۱
کاھن، کھن (اونتی پورہ)	قاناہ	یشوع ۱۹ : ۲۸
کال کول (کولگام)	کلکول	۱ تواریخ ۲ : ۶
کرن (کرناہ)	کران	۱ تواریخ ۱ : ۴۱
کرگام (کولگام)	قیر	عاموس ۹ : ۷
کروتھ (کولگام)	قریت	یشوع ۱۸ : ۲۸
کاشی (کولگام۔ جموں) کشتوار (کولگام، ایک ضلع جموں میں)	کوش	پیدائش ۱۰ : ۶

نام جگہ	بائبل میں نام	حوالہ بائبل
کوئی ہامہ (ہندوارہ۔)	حام	پیدائش ۵ : ۳۲
کوہ ماران	مارہ	روت ۱ : ۲۰
لدرون (سرینگر۔)	نشرون	یشوع ۱۲ : ۱۸
لادی پورہ (ہندوارہ)	لادی	اتواریخ ۲ : ۱
لدر (اننت ناگ) لوڈرو (اونتی پور)	لُودبار	۲ سموئیل ۹ : ۴
لیڈن (پوانہ)	لُدّہ	اعمال ۹ : ۳۲
مہرا (اوری)	مجیر	اتواریخ ۴ : ۱۱
ماہری (سرینگر)	مرے	پیدائش ۱۴ : ۱۳
مٹنی (اننت ناگ)	متّان	۲ سلاطین ۱۱ : ۱۸
میدان پورہ (کولگام)	مدیان	اتواریخ ۱ : ۴۶
نابودل (ہندوارہ)	کوہ نبوہ	استثناء ۳۴ : ۱
نینوہ (اننت ناگ)	نینوہ	پیدائش ۱۰ : ۱۱
نیکنوپورہ (کولگام)	نیکانور	اعمال ۶ : ۵
پارد (اننت ناگ)	فروح	اسلاطین ۴ : ۱۶
پٹن (بارہمولہ)	فدون	نحمیاہ ۷ : ۴۷
پرہ (اودھپور)	فارہ	یشوع ۴۶ : ۹
پھلول (کولگام)	فلّو	پیدائش ۴۶ : ۹
پسگہ (ہندوارہ)	پسگہ	استثناء ۳ : ۲۷
رائی (کولگام)	رُعی	اسلاطین ۱ : ۸
ریشی پورہ (اونتی پورہ)	ریسّہ	گنتی ۳۳ : ۲۱
شوپیان (کولگام)	شوفان	〃 ۳۲ : ۳۵
سوپور (ہندوارہ)	سافر	〃 ۳۳ : ۲۳
سکایت	سکاّت	پیدائش ۳۳ : ۱۷
سیرد۔ سورو (متصل بھون)	شور	〃 ۱۶ : ۷

نام جگہ	بائبل میں نام	حوالہ بائبل
تہارن (کولگام)	تحن	گنتی ۲۶ : ۳۵
	تحریع	اتواریخ ۹ : ۴۱
تخت سلیمان (سرینگر)	سلیماں	اسلاطین ۱ : ۳۴
ترال (اونتی پور)	ترالہ	یشوع ۱۸ : ۲۷
تمن کوٹ (ہندوارہ)	تیمان	یرمیاہ ۴۹ : ۷
ٹیڈرد (اونتی پور)	تقوع	اتواریخ ۲ : ۲۴
تیماپورہ (کولگام)	تیما	پیدائش ۲۵ : ۱۵
تیرچ (اوڑی)	ترش	آستر ۲ : ۲۱
اوڑی	اوری	خروج ۳۱ : ۲
یسوع میدان (کولگام)	یسُوع	
یوس مرگ (ہندوارہ)		
یوس ناگ (کولگام)		متی ۱ : ۲۱
یوس پورہ (کولگام)		
زیلو (اونتی پور)	ضلع	یشوع ۱۸ : ۲۸

افغانستان اور ملحقہ ریاستیں

نام جگہ	بائبل میں نام	حوالہ بائبل
اگرور (ہزارہ، سوات)	اجُور	امثال ۳۰ : ۱
اسرت (سوات)	عستارات	۱ سلاطین ۱۱ : ۵
باجوڑ	بسور	۱ سموئیل ۳۰ : ۹
"	بصر	یشوع ۲۱ : ۳۶
بیوراوئی	بعور	پیدائش ۳۶ : ۳۲
دوڑ	دور	۱ سلاطین ۲۱ : ۱۵
غزنی	غزّہ	پیدائش ۱۰ : ۱۹
گور، گرنائی (سوات)	جُور	۲ سلاطین ۹ : ۲۷
ہزارہ	حصیرات	گنتی ۱۲ : ۱۶
حویلیاں	حویلہ	پیدائش ۲۵ : ۱۸
ہرات	ہارا	۱ تواریخ ۵ : ۲۶
"	حیرہ	پیدائش ۳۸ : ۱
حیل (ضلع ہزارہ)	حی ایل	۱ سلاطین ۱۶ : ۳۴
الائی (ضلع ہزارہ)	عیلی	۱ تواریخ ۱۱ : ۲۹
جلالہ	گلیل	متی ۳ : ۱۳
جمرود	یرموت	یشوع ۲۱ : ۲۹
جریہ	یارد	پیدائش ۵ : ۱۵
کابل	کبُول	یشوع ۱۹ : ۲۷
کیدون	قدرون	۲ سموئیل ۱۵ : ۲۳
قراقرم	قرقولہ	قضاۃ ۸ : ۱۰
خیبر	کبار	حزقی ایل ۱ : ۱
کوہالہ	قولایاہ	نحمیاہ ۱۱ : ۷

نام جگہ	بائیبل میں نام	حوالہ بائیبل
بٹل (بلدستان)	بیت ایل	پیدائش ۱۲: ۸
دردستان	دارع	ا تواریخ ۲: ۸
دوتان (بلدستان)	داتن	گنتی ۲۶: ۹
گلگت	جلجال	یشوع ۴: ۱۹
گلِگتا (گلگت کا مقامی نام)	گُلگتا	متی ۲۷: ۳۳
گورائی (گلگت)	جوُر	۲ سلاطین ۸۹: ۲۷
گزُانا	جَوزان	۲ سلاطین ۱۹: ۱۲
ھاتت (پامیر)	عیَ	پیدائش ۱۲: ۸
ھداتہ (پامیر)	حادید	عزرا ۲: ۳۳
ہاسورہ (یارشنہ) ہسورہ (لداخ)	حصور	یشوع ۱۵: ۲۳
حامس (لداخ)	حمات	ا تواریخ ۱۸: ۹
ہُوَال (لداخ)	حی ایل	سلاطین ۱۶: ۳۴
جہیال (گلگت)	یحیئیل	ا تواریخ ۱۵: ۲۰
کرجوتھ (لداخ)	قرِیت	یشوع ۱۸: ۲۸
کیگز (پامیر)	قصیَص	″ ۱۸: ۲۱
لدّاخ	لعدہ	ا تواریخ ۴: ۲۱
لہاسہ (تبت)	لسع	پیدائش ۱۰: ۱۹
″	لَیس	قضاۃ ۱۸: ۱۴
لیہہ (لدّاخ)	لیاہ	پیدائش ۲۹: ۱۶
″	لحی	قضاۃ ۱۵: ۹
لکر (تبت)	لقحی	ا تواریخ ۷: ۱۹
لوت سون (پامیر	لوطان	ا تواریخ ۱: ۳۹
مِلچی	ملاکی	ملاکی ۱: ۱
منات (اسکردو)	مِنتّت	حزقی ایل ۲۷: ۱۷

نام جگہ	بائبل میں نام	حوالہ بائبل
کوہاٹ	قہات	یشوع ۲۱ : ۵
کوہ سلیمان	سلیمان	اسلاطین ۱ : ۳۴
کلاہی	قلّی	نحمیاہ ۱۲ : ۲۰
مانسہرہ	موسیرہ	استثنا ۱۰ : ۶
"	موسیروت	گنتی ۳۳ : ۳۱
موسیٰ اکیٔ	موسیٰ	خروج ۲ : ۱۰
پخور (پشاور کا پشتو نام)	فشحور	عزرا ۲ : ۳۸
سدوم (ضلع مردان)	سدوم	استثنا ۲۹ : ۲۳
سمرقند	سامریہ	اسلاطین ۱۶ : ۳۲
شہابل	ساؤل	اتواریخ ۴ : ۲۴
تیراہ	تارح	پیدائش ۱۱ : ۲۴
طورو	صُور	۲ سموئیل ۵ : ۱۱
تہکال	تقیل	دانی ایل ۵ : ۲۷
زیدہ	صَیدا	قضاۃ ۱۸ : ۲۸

بلتستان، گلگت، لدّاخ، پامیر، تبت اور ملحقہ علاقے

الت شر (پامیر)	علوت	اسلاطین ۴ : ۱۶
الاش (پامیر)	اُلوس	گنتی ۳۳ : ۱۳
استور (دردستان)	عستارات	۱ سلاطین ۱۱ : ۵
بابل (گلگت)	بابل	پیدائش ۱۱ : ۹
بلقال (لدّاخ)	بتول	یشوع ۱۹ : ۴
برزلّا	برزلی	۲ سموئیل ۱۷ : ۲۷
بُشان (پامیر)	بسن	استثنا ۳ : ۱

نام جگہ	بائبل میں نام	حوالہ بائبل
بتل (بلدستان)	بیت ایل	پیدائش ۱۲ : ۸
دردستان	دراع	۱ تواریخ ۲ : ۶
دوتان (بلدستان)	داتن	گنتی ۲۶ : ۹
گلگت	جلجال	یشوع ۴ : ۱۹
گلگتا (گلگت کا مقامی نام)	گلگتا	متی ۲۷ : ۳۳
گورائی (گلگت)	جور	۲ سلاطین ۸۹ : ۲۷
گزانا	جوزان	۲ ″ ۱۹ : ۱۲
ہانت (پامیر)	عئی	پیدائش ۱۲ : ۸
ھدانہ (پامیر)	حادید	عزرا ۲ : ۳۳
ھاسورہ (پارتنہ) ھسور (لداخ)	حصور	یشوع ۱۵ : ۲۳
حامس (لداخ)	حمات	۱ تواریخ ۱۸ : ۹
ہئوال (لداخ)	حی ایل	سلاطین ۱۶ : ۳۴
جھیال (گلگت)	یحیئیل	۱ تواریخ ۱۵ : ۲۰
کرجوتھ (لداخ)	قریت	یشوع ۱۸ : ۲۸
کگیز (پامیر)	قصیص	یشوع ۱۸ : ۲۱
لداخ	لعدہ	۱ تواریخ ۴ : ۲۱
لہاسہ (تبت)	لسع - لیس	پیدائش ۱۰ : ۱۹، قضاۃ ۱۸ : ۱۴
لیہہ (لداخ)	لیاہ - لحی	پیدائش ۲۹ : ۱۶، قضاۃ ۱۵ : ۹
لکر (تبت)	لقحی	۱ تواریخ ۷ : ۱۹
لوت سون (پامیر)	لوطان	۱ تواریخ ۱ : ۳۹
ملچی	ملاکی	ملاکی ۱ : ۱
منات (اسکردو)	منّیت	حزقی ایل ۲۷ : ۱۷

نام جگہ	بائیبل میں نام	حوالہ بائیبل
موسیراہ	موسیروت	گنتی ۳۳ : ۳۱
آدوہی (تبت کا ایک درہ)	عودد	۲ تواریخ ۱۵ : ۱
پشتون	فیسون	پیدائش ۲ : ۱۱
رباط (پامیر)	رَبّہ	۲ سموئیل ۱۱ : ۱
رہزن	رِحین	نحمیاہ ۷ : ۵۰
سماریہ	سامریہ	۱ سلاطین ۱۶ : ۳۲
تبت	طیبت	آستر ۲ : ۱۶
〃	طبخت	۱ تواریخ ۱۸ : ۸
زنوجا	ضِلع	یشوع ۱۸ : ۲۸
زدجیلہ (بلتستان میں درہ)	زنوح	〃 ۱۵ : ۳۴

باب ۴

حضرت مسیحؑ کا منتہائے مقصود کشمیر

اب مسیحؑ کی طرف لوٹ آئیں۔ ہم ان شواہد کا مطالعہ تو کر چکے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ مسیحؑ صلیب کی موت سے بچ نکلے اور اپنے شاگردوں میں جسد عنصری کے ساتھ ظاہر ہوئے۔ ان کے شاگردوں کو یقین نہ آتا تھا کہ صلیب پر فوت ہونے کے بعد ان کا انسانی جسم بدستور موجود تھا۔ انہوں نے ان کو رُوح خیال کیا، لیکن مسیحؑ نے اس بات کو عملی رنگ میں بتانے کی کوشش کی کہ وہ رُوح نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں وہ زیادہ دیر تک فلسطین میں نہ رہ سکتے تھے، کیونکہ انہیں خطرہ تھا کہ ان کے ساتھ پھر دھوکہ نہ ہو جائے، اس لیے وہ اپنا مشن پُورا کرنے کی غرض سے اسرائیل کے دس گمشدہ قبائل کی تلاش میں کشمیر کی طرف روانہ ہو گئے۔

کنزالعمال جلد دوم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب مسیحؑ خدا کی رہنمائی میں فلسطین سے نکلے تو نہ تو ان کو کوئی پہچان سکا اور نہ ہی ان کا کسی نے پیچھا کیا۔ وہاں سے وہ گلیل کی طرف روانہ ہوئے اور اکثر بھیس بدل کر سفر کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے شاگردوں کو انہیں پہچاننے میں دقّت پیش آتی تھی۔ جیسے کہ جب مسیحؑ پہلی بار شاگردوں کو ملے تو انہیں ان کو پہچاننے میں دقّت ہوئی۔

مثال کے طور پر، یوحنا ۲۰: ۱۴-۱۶، لوقا ۲۱: ۱۳-۳۱، یوحنا ۲۱: ۱-۷

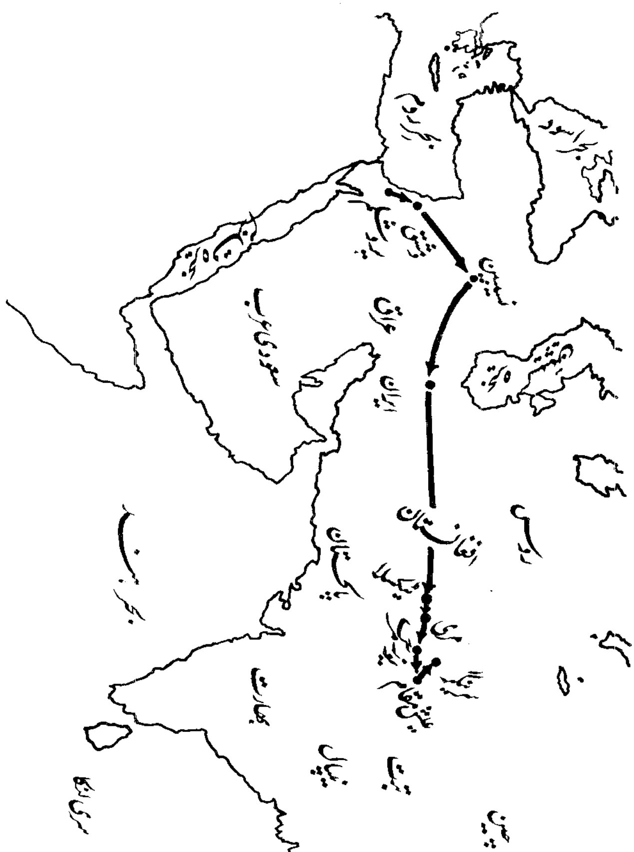
امام ابوجعفر محمد الطبری اپنی مشہور کتاب تفسیر ابن جریر میں فرماتے ہیں:

"مسیحؑ اور ان کی والدہ مریم کو فلسطین چھوڑنا پڑا اور مختلف ملکوں سے ہوتے ہوئے ایک دُور کی سرزمین کی طرف سفر اختیار کرنا پڑا"۔ (جلد ۳ صفحہ ۱۹۷) اس سلسلہ میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہو گی کہ قبر چھوڑنے کے فوراً بعد مسیح گلیل کی طرف جاتے ہیں جو ملک شام کو جانے

ہوئے راستہ میں آتا ہے۔ اور پھر آپ "زرخیز ہلال"[1] کے ملکوں سے ہوتے ہوئے مشرق کیطرف روانہ ہوئے۔
اگر مسیح نے یہ راستہ اختیار کیا ہوگا تو لازمی طور پر وہ دمشق ضرور آئے ہوں گے۔ بیشک
تبھی اس شہر سے صرف دو میل کے فاصلہ پر ایک جگہ ہے جس کا نام مقام عیسٰی ہے (یعنی مسیح
نے وہاں قیام کیا) بہت سی روایات سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ مسیحؑ نے دمشق میں کچھ
وقت گذارا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ دمشق جاتے ہوئے راستہ میں مسیحؑ کی ملاقات تارسس کے
ایک متعدد شخص ساؤل سے ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں اس نے عیسائیوں پر مظالم اور سختیاں کرنا
چھوڑ دیں اور بعد میں یہی شخص سینٹ پال کے نام سے مشہور ہوا۔ اگر ہمارا یہ مفروضہ دُرست
ہے، تو عین ممکن ہے کہ مسیحؑ اس وقت حقیقتاً دمشق میں ہی قیام پذیر ہوں اور انہوں نے
ارادتاً وہ راستہ اختیار کیا ہو تاکہ ساؤل سے جو شہر کی طرف آرہا ہو آمنا سامنا ہوا اور وہ
اس کو اس وقت حلقہ بگوش کرنے کی کوشش کرسکیں۔
ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ دمشق کے قیام کے دوران مسیحؑ کو نصیبین کے بادشاہ کا خط ملتا ہے
کہ وہ سخت بیمار ہے اور اسے ان کی امداد کی ضرورت ہے۔ مسیحؑ نے جواب میں لکھا کہ وہ سرِدست
اپنے شاگرد کو بھیج دیں گے اور خود بعد میں آئیں گے۔ مسیحؑ کو علم تھا کہ نصیبین میں بھی گمشدہ قبائل
کے کچھ لوگ رہتے تھے۔ اس امر کا ذکر جوزیفس نے اینٹیکویٹیز ۱۸: ۹ میں کیا ہے اور یہ کہ حضرت
مسیحؑ کو حالات سے اندازہ ہوگیا تھا کہ دمشق کو چھوڑنے کا وقت آگیا ہے اس لیے کہ ساؤل کے عیسائیت
قبول کرنے پر یہودیوں میں سخت غم و غصہ پیدا ہوچکا تھا اور وہ مسیح کو گرفتار کرنے کی تدابیر
کرنے لگ گئے تھے۔
محمد بن خاوندشاہ بن محمود جو عام طور پر میرخوند کے نام سے مشہور ہیں انہوں نے اپنی معروف
کتاب "روضۃ الصفا" میں جو فارسی کی تاریخ کی کتب میں بلند پایہ ہے ۔ لکھتے
ہیں: مسیحؑ اور مریم نے تب شہر کو چھوڑ دیا اور شام کی طرف روانہ ہوگئے (جلد ا صفحہ ۱۳۴) اس
امر کی تصدیق کہ اس وقت مریم بھی ان کے ہمراہ تھیں۔ فقیر محمد کی کتاب جمیع التواریخ سے
ہوتی ہے۔ جس میں یہ بھی لکھا ہے کہ مسیح نے پیدل سفر کیا اور اس دوران وہ عصا اٹھائے
ہوئے تھے۔ اسی کتاب کی جلد ۲ میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ سفر کرتے ہوئے نصیبین پہنچے،

---

[1] ارمینیا سے عرب تک کا زرخیز علاقہ تھا جو اب ریگستان ہے۔



وہ راستہ جو مسیحؑ نے ہندوستان کی طرف دوسرے مفروضہ سفر کے دوران میں اختیار کیا۔

جہاں انہوں نے وہاں کے بادشاہ سے ملاقات کی اور اسے تبلیغ کی وہاں سے آپ مشاغ گئے جہاں نوح کے بیٹے شیم کی قبر موجود ہے۔

اسی قسم کا بیان ناسخ التواریخ میں بھی درج ہے، لیکن نہ تو اس کتاب میں اور نہ ہی مذکورہ دونوں کتب میں اس امر کی تفصیل ملتی ہے کہ مسیحؑ نے نصیبین میں زیادہ وقت کیوں نہ گذارا؟ تاہم تفسیر ابن جریر الطبری کے مطابق نصیبین کے لوگوں نے مسیحؑ سے دشمنی اختیار کی اور انہیں مارنے کے درپے ہو گئے تھے۔

خواجہ نذیر احمد سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ مسیحؑ کے زمانہ میں نصیبین نام کے تین شہر تھے۔ ایک تو موصل جو بالائی ٹگریس کے تجارتی راستہ پر واقع تھا اور شام کے درمیان تھا۔ دوسرا دریائے فرات کے کنارہ پر واقع تھا اور تیسرا افغانستان میں جلال آباد کے قریب تھا۔

شیخ الامام شہاب الدین ابی عبداللہ یعقوب بن عبداللہ الحمدی الرومی البغدادی اپنی کتاب مجمع البلدان جلد ۸ - (۱۲۰۷ عیسوی) میں لکھتے ہیں۔ ان شہروں میں سے پہلا شہر موصل سے چھ دن کے سفر پر واقع ہے جو بحیرہ روم سے خلیج فارس اور مشرق کی طرف تجارتی راستہ پر ہے۔ یہ تفصیل نئے نصیبین پر منطبق ہوتی ہے جو ترکی میں شام کی سرحد پر واقع ہے۔ نصیبین کو چھوڑنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسیحؑ یوز آصف کے نام سے سفر کرتے رہے، کیونکہ بعد میں جن علاقوں سے آپ سفر کرتے ہوئے گزرے، وہاں کی کتب اور علاقائی روایات میں آپ کا ذکر اسی نام سے ملتا ہے۔ "فرہنگ جہانگیری" اور رضا قلی کی "انجمن آرا ناصری" (۴۲ : کالم ۱) میں درج ہے کہ آصف عظیم عرب ممالک میں سے ایک ملک ہے، لیکن برہان قاطعہ (۴۲ : کالم ۲) میں آصف برکھیا کے بیٹے کا نام ہے جو بنی اسرائیل کے علماء میں سے ایک تھا۔ لفظ "یوز" جو نام کا ایک حصہ ہے، کا مطلب محمد بادشاہ کی کتاب فرہنگ آنند راج (جلد ۶) میں "مختار" اور "رہنما" بیان کیا گیا ہے۔ نام یوز آصف کے متعلق بہتر توضیح فرہنگ آصفیہ نے پیش کی ہے جس کی جلد ۱ میں درج ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے کوڑھیوں کو شفا بخشی، جب کوئی مکمل صحت یاب ہو جاتا تو اسے آصف کہا جاتا تھا۔ پس اگر یوز کا مطلب رہنما ہے تو یوز آصف کا مطلب کچھ اس طرح ہوگا: رہنما جس نے کوڑھیوں کو شفا بخشی۔ یہ نام مسیحؑ کے لیے موزوں ترین تھا۔ اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے کہ دونوں ناموں سے ایک ہی شخص مراد ہے۔ فیضی جو بادشاہ اکبر کے دربار کا ایک ممتاز شاعر تھا، حضرت مسیح کو ان الفاظ میں خطاب کرتا ہے:

"اے کہ نامے تو یوزا و کرسٹو" (یعنی تو جس کا نام یوز یا کرائسٹ (مسیحؑ) ہے)۔

سفر کرتے ہوئے مسیحؑ ایران پہنچے۔ مقامی روایات سے پتا چلتا ہے کہ ایک شخص یوز آصف

نامی وہاں کے مغرب کے ایک ملک سے آیا تھا' اس نے تبلیغ کا کام کیا اور بہت سے لوگوں کو حلقہ بگوش کیا۔ ان روایات سے مزید جو تفصیلات ملتی ہیں' ان سے واضح ہوتا ہے کہ یوز آصف ہی مسیحؑ تھے (مثال کے طور پر ملاحظہ ہو آغا مصطفائی احوالِ اہالیان فارس) اسی طرح مسیحؑ کے نشانات مغرب میں افغانستان میں اور مشرق میں غزنی اور جلال آباد میں پائے جاتے ہیں۔ مسیحؑ کا پیچھا کرتے ہوئے جب ہم اور دُور مشرق کی طرف جاتے ہیں تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ وہ پاکستان میں ٹیکسلا کے علاقہ سے گزرے جو کشمیر کی سرحد سے زیادہ دور نہیں۔ "توما کے اعمال" کی غیر مستند انجیل کے مطابق' توما شاہ گونڈا فراس کے بھائی گاد کی شادی کے موقع پر موجود تھے۔ تقاریب کے خاتمہ پر توما وہاں سے چلے گئے۔ دُولہا نے اس پردہ کو ہٹا دیا جو اس کے اور دلہن کے درمیان حائل تھا اور توما کو (پھر) جو اسے پڑھایا کرتا تھا' دلہن سے باتیں کرتے دیکھا۔ دولہا نے حیران ہو کر پوچھا "یہ کیا! آپ یہاں کیسے؟ کیا میں نے آپ کو جاتے نہیں دیکھا؟" آقا نے جواب دیا "میں یہودا توما نہیں بلکہ اس کا بھائی"۔

اس واقعہ کی اہمیت یہ ہے کہ یوحنّا نے توما کو ڈیڈیمس یعنی توام کا نام دیا ہے (یوحنّا ۲۰ : ۲۴) آرامی زبان کے لفظ آئی اومہ یونانی زبان کے لفظ ڈیڈیمس کا مترادف ہے۔ اور یہ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ توما کی شکل وشباہت مسیحؑ سے بہت زیادہ ملتی تھی۔

توما کی انجیل سے زیادہ اہم بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ توما اور مریم مسیحؑ کے ساتھ ٹیکسلا میں موجود تھے نہ کہ ان کے حواریوں کے ساتھ یروشلم میں اس روایت کے مطابق توما مسیحؑ کے ساتھ دمشق اور مقدونیہ (نصیبین) سے ہوتے ہوئے کشمیر تک ان کے ہم سفر رہے۔

(ملاحظہ ہو روضۃ الصفا ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۲۴)

اور مسیحؑ کی وفات کے وقت تک توما کشمیر میں موجود تھے (ملاحظہ ہو شیخ السعید الصادق کی کتاب کمال الدین) پھر توما اسی راستہ واپس ٹیکسلا پہنچے۔ وہاں سے جنوبی ہندوستان کے شہر کیرالہ پہنچے اور پھر مدراس میں میلاپور کے مقام پر فوت ہوئے اور وہیں دفن کر دیے گئے۔

حضرت مریم پاکستان میں مدفون ہیں

ٹیکسلا چھوڑنے کے بعد مسیحؑ ، مریم اور توما کشمیر کی طرف روانہ ہوئے، لیکن مریم کو معروف "جنّت ارضی" دیکھنا نصیب نہ ہوئی۔ وہ اتنے لمبے اور کٹھن سفر کی صعوبتوں کو برداشت نہ کر سکیں اور راستہ میں ہی فوت ہو گئیں۔ یہ جگہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا جو اب ان کی یاد میں

مری کہلاتا ہے۔ یہ ٹیکسلا سے چالیس میل اور راولپنڈی سے تیس میل کے فاصلہ پر ہے جس جگہ مریم دفن ہیں۔ اسے پنڈی پوائنٹ کہا جاتا ہے۔ اور قبر کا نام " مائی میری دا استھان " ہے جس کا مطلب ہے ماں مریم کی آرام گاہ۔ یہودی دستور کے مطابق قبر کا رُخ شرقاً غرباً ہے جس طریق پر حضرت موسیٰ اور حضرت مسیح کی قبریں ہیں (اس کے متعلق بحث بعد میں آئے گی) یہ اس کے بالکل الٹ ہے جس طریق پر کہ مسلمانوں کی قبریں ہوتی ہیں یعنی شمالاً جنوباً۔

ممتاز احمد فاروقی اس سلسلہ میں اپنی کتاب " دی کریملنگ آف دی کراس " (کسرِ صلیب) میں لکھتے ہیں کہ جس زمانہ میں حضرت مریم کی وفات واقع ہوئی اور انہیں مری میں دفن کیا گیا تھا ملک میں ہندو راجوں کی حکومت تھی۔ ہندو مختلف دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے اور توہم پرست ہوتے تھے۔ جب انہوں نے پہاڑ کی چوٹی پر ایک نئی قبر دیکھی تو انہوں نے اس جگہ کا احترام شروع کر دیا۔ اور منتیں ماننی اور چڑھاوے چڑھانے شروع کر دیے اور اس طرح یہ جگہ مشہور زیارت گاہ بن گئی۔ جب اس ملک میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی تو انہیں احساس ہوا کہ گو ہندو اس قبر کا احترام کرتے ہیں، لیکن یقیناً اس میں کوئی اہل کتاب میں سے مدفون ہوگا (یہودی یا عیسائی) کیونکہ ہندو تو اپنے مُردوں کو جلاتے ہیں۔ اس کے بعد مسلمانوں نے بھی اس قبر کا احترام شروع کر دیا۔

۱۸۹۸ئہ میں اس وقت کی نوآبادیاتی انگریز حکومت نے اس قبر کے نزدیک ایک دفاعی مورچہ بنایا تھا۔ ضلع کے لوگ بدستور اس قبر کی زیارت کے لیے آتے رہے ــــ ۱۷-۱۹۱۶ئہ میں قلعہ کی محافظ فوج کے انجنیئر کیپٹن رچرڈسن نے اس قبر کو مسمار کرنا چاہا تاکہ لوگوں کو اس علاقہ سے دُور رکھا جائے، لیکن اس پر لوگوں نے سخت احتجاج کیا اور میونسپل کونسل کو اس معاملہ میں مداخلت کرنا پڑی، تاکہ اس کو مسمار کرنے سے روکا جائے۔ اس سارے معاملہ کی سرکاری طور پر تحقیقات ہوئیں۔ اس کے نتائج ایک دستاویز مؤرخہ ۳۰ جولائی فائل ۱۱۸) کی صورت میں مری میونسپل کونسل میں موجود ہے۔ یہ دستاویزات مدّتِ مدید سے وہاں رہنے والے درجنوں مقامی لوگوں کی شہادت کی بنا پر اس بات کو تسلیم کرتی ہیں کہ پنڈی پوائنٹ کی مقدس جگہ ایک ایسے شخص کی قبر ہے جس میں ولیوں کی سی خصوصیات تھیں اور جس کا احترام ہندو اور مسلمان یکساں کرتے ہیں اور خشک سالی کے دنوں میں اس قبر پہ دعائیں اور نذرانوں سے عام طور پہ بارش ہو جاتی تھی۔ اس امر کی تصدیق

اسس افسر نے بھی کی، جو اسس تحقیقات کا نگران تھا ۔ اس کا کہنا ہے کہ ۱۷-۱۹۱۶ء کی سخت خشک سالی کے دنوں میں اس قبر پہ نذرانے اور دُعائیں کی گئیں اور اس کے فوراً بعد ہی بارش اور برف پڑنی شروع ہوگئی جو تین دن تک مسلسل جاری رہی، لہذا یہ فیصلہ کیا گیا کہ قبر کو مسمار نہ کیا جائے اور کچھ عرصہ بعد جب کیپٹن رچرڈسن ایک خطرناک حادثہ میں بُری طرح زخمی ہو کر فوت ہو گیا، تو بہت سے لوگوں نے کہا کہ یہ خدا کی طرف سے اس پر سزا وارد ہوئی ہے۔

"جیسس اِن ہیون آن ارتھ" کے مصنف خواجہ نذیر احمد کے ہم بے حد شکر گذار ہیں جن کی کوششوں سے ۱۹۵۰ء میں اس قبر کی مرمّت ہوئی۔ اب دفاعی مورچہ گرا دیا گیا ہے، کیونکہ اب اس کی ضرورت نہ رہی تھی اور اسس کی جگہ ٹیلیویژن ٹاور تعمیر کر دیا گیا ہے۔

خیابانِ مسیحؑ

مری سے مسیحؑ نے اپنا سفر کشمیر کی طرف جاری رکھا۔ وہ یوزمرگ کی طرف سے جو خیابانِ مسیحؑ کے نام سے مشہور ہے، اس میں داخل ہوئے۔ یہ خیابان نہایت ہی سرسبز ہے اور اس کی ڈھلوانوں پہ حدِ نگاہ تک درخت ہی درخت کھڑے نظر آتے ہیں۔ یہاں یادو قبیلہ کے لوگ جن کا تعلق دس اسرائیلی قبیلوں سے ہے آباد ہیں۔ یہ لوگ زیادہ تر کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں اور بھیڑ بکریاں پالنا بھی ان کی ذرائع آمدن کا وسیلہ ہے۔ یہ وادی کشمیر میں افغانستان اور وادی کاغان کے درمیان قدیم تجارتی گذرگاہ کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ اس راستہ پر اگر مشرق کی طرف چلا جائے، تو عیش مقام آجاتا ہے۔ لفظ عیش نام عیسٰی کے پہلے حصّہ سے لیا گیا ہے اور مقام کا مطلب ہے "ٹھہرنے کی جگہ"۔ کتاب نورنامہ کے مطابق یہ وہ جگہ ہے جہاں مسیحؑ اپنے سفر کے دوران ٹھہرے اور آرام کیا۔

عیش مقام میں آج سب کے سب مسلمان ہیں جب ہم وہاں گئے تو معلوم ہوا کہ "خدا کا برّہ" کے سینگ وہاں محفوظ ہیں جنھیں تالے میں رکھا جاتا ہے۔ وہاں ایک عصا بھی ہے جس کے متعلق کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ درحقیقت مسیح کا ہے۔

یہ بات درست نہیں، اس لیے کہ ان لوگوں نے جو اس عصا کے نگران ہیں بتایا کہ (اور بعد میں پروفیسر حسنین نے بھی اس امر کی تصدیق کی) اس عصا کا تعلق مسیح سے نہیں بلکہ حضرت موسیٰ سے تھا جن کے کشمیر سے تعلق کے بارہ میں ہم تفصیل سے بحث آئندہ باب میں کریں گے۔

پیشتر اس کے کہ ہم ان تاریخی دستاویزات کا مطالعہ کریں جن سے مسیح کی کشمیر میں موجودگی کی تصدیق ہوتی ہے۔ ذیل میں قارئین کی سہولت کے لیے کشمیر کے تاریخی اور جغرافیائی ناموں کی مختصر فہرست درج کی جاتی ہے جن میں مسیحؑ سے مناسبت یا اشارہ موجود ہے۔

اشم بار(؟)	آئیس تھا عیسےٰ وارہ	یسودھا	یسورع پورہ
اسائیل	کال عیسیٰ	یسودھارا	یسورع راجہ
عیساکش	رام عیسا	یسوگام	یسورع ورمن
عیسامتی	آریہ عیسا	سیہومتورہ	یوس مرگ
عیساتا	عیش مقام	یسوکن	یوس ناگ
آئیس عیسا	یسورع	یسورع میدان	یوس منگالہ

مسیحؑ کی کشمیر میں سکونت

آئیے اب ان عبارتوں کا مطالعہ کریں جن سے مسیحؑ کے سفر اور کشمیر میں وفات کی تصدیق ہوتی ہے۔

کشمیر کے سب سے پہلے مسلمان مورّخ مولانا نادری فارسی میں اپنی کتاب "تاریخ کشمیر" میں لکھتے ہیں کہ یُوز آصف نے اپنا پیغام ۵۴ئہ میں لوگوں کو سنانا شروع کر دیا تھا۔ (اس سنہ کی اس سلسلہ میں کیا اہمیّت ہے اس کے متعلق بعد میں ذکر آئے گا۔) متعلقہ اقتباس اس طرح ہے:

"بادشاہ نے گوپانندا کا نام اختیار کیا اور وادیٔ کشمیر میں اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ اس دور میں بہت سے مندر تعمیر کیے گئے اور پرانی عبادت گاہوں کی دوبارہ تعمیر کی گئی۔ اس نے ایران سے سلیمان کو بلوایا تاکہ وہ تختِ سلیمان کی ضروری مرمّت کے کام کو سرانجام دے۔ ہندوؤں نے اس پر اعتراض کیا کہ چونکہ یہ شخص ہندو نہ تھا اور ایک دوسرے مذہب کا پیروکار تھا، اس لیے اس کے مقدس مقبرہ کو دوبارہ اصلی حالت میں نہیں لانا چاہیے۔

اس زمانہ میں یُوز آصف فلسطین سے یہاں تشریف لائے اور وادی کشمیر میں اپنے دعوٰی نبوّت کے اعلان کا آغاز کیا۔ انہوں نے دن رات اس کام کے لیے وقف کر دیے اور وہ انتہائی نیک اور درویش صِفت انسان تھے۔ انہوں نے خدا کا پیغام کشمیر کے لوگوں تک پہنچایا۔ بہت سے لوگ حلقہ بگوش ہوئے اور اُن کے پیروکار بن گئے۔ بادشاہ نے ان سے درخواست کی کہ وہ ہندؤوں کی صحیح سمت میں رہنمائی فرمائیں۔

سلیمان، تخت سلیمان کو اپنی اصلی صورت میں لے آیا اور چار ستون بھی تعمیر کیے جن پر ذیل کی عبارت کندہ تھی:

"ان ستونوں کے تعمیر کرنے والے
بہشتی زرگر ، سال ۵۴ھ
اور خواجہ رُکن ، ابن مرجان
یُوز آصف نے نبی ہونے کا دعوٰی کیا، سال ۵۴
وہ یوزو ہے اسرائیلی قبائل سے"

یہ کندہ عبارت اس وقت تک موجود تھی اور پڑھی جا سکتی تھی جب خواجہ حیدر مالک "چودرہ" نے اپنی کتاب تاریخ کشمیر لکھی۔ یہ زمانہ جہانگیر کے دورِ بادشاہت کا تھا (ملاحظہ ہو تاریخ کشمیر جلد ۳ از پیرزادہ غلام حسن) یہ مقدس مقام جو تخت سلیمان کے نام سے مشہور ہے، پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے، جو سرینگر کے مشرق کی طرف پھیلا ہوا ہے اور وہاں سے شہر کا نہایت شاندار نظارہ دیکھنے میں آتا ہے۔

حضرت مسیحؑ کی بادشاہ شالباہن سے گفتگو

قدیم تاریخی دستاویز بھوشیہ مہاپرانہ جو سنسکرت زبان میں مُرتّب کی گئی اور لوکیکا حساب سے ۳۱۹۱ء میں لکھی گئی تھی۔ بمطابق (۱۱۵ء عیسوی)۔ کہا جاتا ہے کہ ویاس نے اس کو مرتّب کیا تھا۔ اس کے قطعات ۱۷تا ۳۲ میں یہ درج ہے کہ راجہ شالباہن ایک دن سیر کے لیے پہاڑوں کی طرف گیا اور سرینگر کے قریب وئین کے مقام پر اس نے ایک غیر معمولی شخص کو دیکھا جو سفید کپڑوں میں ملبوس تھا اور اس کا رنگ خاصہ گورا تھا۔ راجہ نے اس سے اس کا نام پوچھا۔ مسیحؑ نے جواب میں کہا کہ عام طور پر اس کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے۔

اور وہ ایک کنواری کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ راجہ اس پر حیران ہوا، لیکن یسوع نے بتایا کہ وہ حقیقت بیان کر رہا ہے اور اس کی زندگی کا مقصد دین کی اصلاح ہے۔ راجہ نے جب دوبارہ سوال کرنے شروع کیے، تو مسیحؑ نے کہا کہ اس نے اپنی دعوت کا اعلان اس ملک میں کیا جو سندھ طاس سے بہت دور ہے اور لوگوں نے اسے سخت تکالیف پہنچائیں۔ اس نے محبّت، سچائی، قلب کی پاکیزگی کا پرچار کیا اور اسی بنا پر اسے مسیحؑ کہا جاتا ہے، ذیل میں متعلقہ قطعات کا ترجمہ پیش ہے؛

"بکرماجیت کے پوتے شالباہن نے زمام حکومت سنبھالی۔ اس نے چینی بھکشوؤں، پارتھیوں، سیتھین اور بکرین قوموں کو مار بھگایا۔ اس نے آرین اور امالکیوں کے درمیان سرحدوں کا تعین کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ دریائے سندھ کے دوسری طرف رہیں۔ ایک دن شالباہن ہمالیہ کی طرف سفر روانہ ہوا اور وہاں 'ہن' کے علاقہ کے درمیان طاقتور بادشاہ نے ایک غیر معمولی شخص دیکھا جو ایک پہاڑ کے نزدیک بیٹھا ہوا تھا۔ درویش کا رنگ خاصہ گورا تھا اور اس نے سفید کپڑے زیب تن کیے ہوئے تھے۔ بادشاہ شالباہن نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے خندہ پیشانی سے جواب دیا کہ مجھے خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے اور یہ کہ میں کنواری کے بطن سے پیدا ہوا ہوں۔

بادشاہ اس جواب سے بے حد حیران ہوا۔ درویش نے مزید کہا "میں امالکیوں کے مذہب کا پرچار کرتا ہوں اور سچائی کے اصولوں پر عمل پیرا ہوں۔" بادشاہ نے جب اس سے اس کے مذہب کے متعلق پوچھا، تو اس نے جواب دیا "اے بادشاہ! میں ایک دور دراز ملک سے آیا ہوں، جہاں اب سچائی مفقود ہو چکی ہے اور برائیاں حد سے بڑھ چکی ہیں۔ میں امالکیوں کی سرزمین میں بطور مسیح ظاہر ہوا۔ میری وجہ سے گناہگار اور بدعمل لوگوں کو تکلیف پہنچی اور ان کے ہاتھوں مجھے اذیت اٹھانا پڑی۔

بادشاہ نے اس سے التجا کی کہ وہ اپنی تعلیمات کو مزید وضاحت سے بیان کرے اس پر درویش نے اسے بتایا۔ میں لوگوں کو محبت، سچائی اور دل کی پاکیزگی کی تعلیم دیتا ہوں۔ ان کو تلقین کرتا ہوں کہ وہ اس خدا کی عبادت کریں جو سورج اور عناصر کا سرچشمہ ہے اور یہ کہ خدا اور عناصر ہمیشہ رہیں گے۔

بادشاہ نے وعدہ کیا کہ وہ درویش کی باتوں پر عمل کریگا اور واپس لوٹ آیا۔

مسیح کے اہل و عیال

یہ باب شاید کتاب کا سب سے زیادہ متنازعہ فیہ باب ہوگا۔ کیونکہ اس میں نہایت ہی نازک موضوع پر بحث ہوگی کہ کیا کشمیر میں مسیح نے شادی کی اور ان کے اولاد ہوئی۔ پروفیسر حسنین اور صاحبزادہ بشارت سلیم جو عین ممکن ہے مسیحؑ کی نسل سے ہوں۔ دونوں نے مجھے بتایا ہے کہ مسیحؑ نے شادی کی اور اس میں سے ان کے اولاد ہوئی، لیکن اس سلسلہ میں مَیں نے جو سوال ان سے کیئے دونوں نے اس کے واضح جواب نہیں دیئے۔ وہ اس بارہ میں پورا یقین رکھتے ہیں۔ دونوں اس موضوع پر نہایت احتیاط سے گفتگو کرتے ہیں اور ان کی یہ کوشش رہتی ہے۔ کہ یہ تفصیلات کوئی سنسنی خیز کہانی کا رخ اختیار نہ کرلیں یا ان کو توڑ مروڑ کر کسی اور رنگ میں پیش نہ کیا جائے۔

چونکہ اس کتاب میں میری یہ کوشش ہے کہ مسیحؑ کی "دوسری زندگی" کے تمام پہلوؤں پر بحث کروں، اس لیے میں اس پہلو پر بھی (یعنی حضرت مسیحؑ کے اہل و عیال تھے) معلومات بہم پہنچانا ضروری سمجھتا ہوں۔ گو میں ان دونوں حضرات کا احترام کرتا ہوں جنہوں نے مجھے یہ اطلاعات فراہم کی ہیں اور دونوں نہایت مہربان اور عمدہ خصوصیات کے حامل ہیں تاہم میری قارئین سے درخواست ہے کہ وہ آئندہ کے صفحات کے بارہ میں مبالغہ آرائی سے کام نہ لیں، بلکہ ان پر نہایت متانت سے غور کریں۔

جب مَیں نے سنا کہ مسیحؑ کی نسل سے ایک شخص سری نگر میں موجود ہے۔ مَیں نے اس سے ملنے کے لیے وقت لیا، لیکن چونکہ مجھے کسی ایسی دستاویز کا علم نہ تھا جس میں یہ درج ہو کہ مسیحؑ کی اولاد تھی، اس لیے مَیں نے سب سے پہلے پروفیسر حسنین سے رابطہ قائم کیا، جن کو اس بارہ میں ذاتی فائدہ حاصل کرنے کی کوئی خواہش نہیں۔ پروفیسر حسنین نے بتایا کہ اس بارہ میں انہیں صرف ایک ہی کتاب کا علم ہے یعنی "نگارستانِ کشمیر" جو فارسی زبان میں ہے اور جس کا اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس میں یہ ذکر موجود ہے کہ بادشاہ شالباہن (یہ وہی بادشاہ ہے جس نے حضرت مسیحؑ سے پہاڑوں کے پاس ملاقات اور گفتگو کی تھی) نے مسیحؑ سے کہا کہ آپؑ کے لیے ایک عورت ہونی چاہیے جو آپ کا خیال رکھ سکے اور پھر ان کے سامنے خود ہی منتخب کرکے پچاس عورتیں پیش کیں۔ مسیحؑ نے کہا کہ انہیں کسی!

کی بھی ضرورت نہیں اور خواہ مخواہ کسی کو میری خدمت کرنے پر مجبور نہیں کرنا چاہیے لیکن بادشاہ کے اصرار پر مسیحؑ نے چار و ناچار یہ مان لیا کہ وہ ایک عورت کو ملازمہ کے طور پر رکھ لیں جو ان کا کھانا پکائے، گھر بار کی دیکھ بھال کرے اور کپڑے وغیرہ دھوئے۔ پروفیسر حسنین نے بتایا کہ اس عورت کا نام مرجان تھا اور اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس عورت سے مسیحؑ کے اولاد ہوئی۔

سرینگر میں صاحبزادہ بشارت سلیم نے اپنے گھر ہمیں مدعو کیا۔ ان کو فوٹو گرافی کا بے حد شوق ہے۔ وہ آرٹ کے دلدادہ اور شاعر بھی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ وہ ایک نہایت حساس قسم کے شخص ہیں جب ہم نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ اپنے آپ کو مسیحؑ کی نسل سے سمجھتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ جب کبھی انہوں نے اپنے والد سے اس بارہ میں سوال کیا تو ان کے والد نے یہی جواب دیا کہ ان کے دادا کے دادا (یعنی آباؤ اجداد) ایک نبی تھے۔ جن کا نام یوز آصف تھا۔ وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اس جد امجد کی قبر کے قریب خانیار کے علاقہ میں ایک مقدس مقام پر کشمیر کے ایک عظیم ولی اللہ کا جسدِ خاکی دفن ہے۔ جن کا سارے کشمیر کے لوگ بے حد احترام اور تکریم کرتے ہیں۔ یہ ولی صفت انسان جس کی کشمیر میں بڑی عقیدت اور اہمیت ہے بقول میرے والد، اس نبی کے مقابل میں ان کی کچھ حقیقت نہیں جو اس قبر میں مدفون ہیں جو روضہ بل کے نام سے مشہور ہے۔

صاحبزادہ بشارت سلیم صاحبزادہ غلام محی الدین کے فرزند ہیں جو صاحبزادہ صدیق احمد کے فرزند تھے، جو صاحبزادہ احمد اللہ کے بیٹے تھے اور وہ صاحبزادہ عبد الصمد کے فرزند تھے جو صاحبزادہ ابو بکر کے بیٹے تھے۔ اسی طرح سلسلۂ نسب یوز آصف یا مسیحؑ سے جا ملتا ہے۔ صاحبزادہ سلیم کے پاس شجرہ نسب موجود ہے جس میں اُن کے مسیحؑ کے نسب سے ہونے کے متعلق تفصیلات موجود ہیں۔ جب ان سے اس خاتون کا نام پوچھا گیا جس کے ذریعہ مسیحؑ کے اولاد ہوئی تو صاحبزادہ صاحب نے تصدیق کی کہ اس کا نام مریان (مرجان یا مرجون) تھا۔ اور یہ کہ اس خاتون کا تعلق ان مسحور کن حسین دیہاتوں میں سے ایک سے تھا جہاں گلہ بانی ہی ذریعہ معاش تھا۔ یہ دیہات کشمیر کی وادی پہلگام میں دور تک پھیلے ہوئے تھے۔

Finally as regards your query I would gladly tell you that the pious shepherdess married by Yuza Asaf was named MARJAN who was brought up amidst the enchanting and captivating scenic locales of heavenly and wild mountainous ranges of Pahalgam in Kashmir.

God be with you

Humbly yours

" آخر میں جہاں تک آپ کے سوال کا تعلّق ہے. مجھے آپ کو یہ بتانے میں خوشی محسوس ہوئی ہے کہ وہ نیک گڈرنی جس سے یوزآصف نے شادی کی تھی. اس کا نام مرجان تھا. جس کی پرورش کشمیر میں پہلگام کے جنّت نما پہاڑی سلسلہ کے سحرانگیز اور دلکش نظاروں میں ہوئی."

خُدا آپ کا حامی ہو

خاکسار

بشارت سلیم

یہ خط کے ایک حصّے کا عکس ہے. جو بشارت سلیم صاحب نے مصنّف کو لکھا. اس میں اس امر کا ذکر ہے. کہ اس خاتون کا نام مرجان تھا جنھوں نے یوز آصف (مسیح) کے ساتھ کشمیر میں زندگی گزاری.

اس سلسلہ میں ایک اور دلچسپ روایت کا بھی پتہ چلتا ہے جس کا ذکر فارسی زبان کی تاریخ کی کتاب روضۃ الصفاء میں ہے جس کی تفصیل یوں ہے:

"یہ روایت کی جاتی ہے کہ آسمان سے اُترنے کے بعد عیسیٰ مزید چالیس سال تک زندہ رہیں گے، شادی کریں گے اور ان کے بچے ہوں گے، وہ مسلمانوں کے دشمنوں سے لڑیں گے اور وہ ان تمام قوموں کو جو دوسرے مذاہب کو مانیں گی برباد کریں گے۔" (حصہ اوّل جلد ۲ صفحہ ۱۸۲،۳)

اگرچہ اس کا تعلق ان کی آمد ثانی سے ہے، لیکن یہ بات قابلِ غور ہے کہ اس میں مسیح کی شادی کا ذکر موجود ہے۔

صاحبزادہ بشارت سلیم کے ذکر کی طرف لوٹتے ہوئے یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ان کے والد اور دادا کشمیر میں اس بات کے لیے مشہور ہیں کہ ان کی دعاؤں میں غیر معمولی اثر تھا۔ بشارت سلیم کو سری نگر میں ہر کوئی جانتا ہے۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ ایک دن ایک شخص جو یہ جانتا تھا کہ وہ کس کا فرزند ہے ان کے پاس آیا اور مؤدبانہ طریق پر جھک کر یہ بیان کیا کہ اس کا بیٹا ایک دفعہ سخت بیمار ہو گیا اور ڈاکٹروں نے اسے لاعلاج قرار دیدیا۔ میں نے آپ کے والد سے اس بارہ میں مشورہ کیا۔ آپ کے والد نے مجھے کہا میں اس بچہ کے لیے دُعا کروں گا اور مجھ سے کہا کہ میں بھی گھر جاؤں اور اسی طرح کروں؛ اگرچہ میرا لڑکا قریب المرگ تھا، لیکن اچانک آدھی رات کے وقت اس نے دُودھ مانگا اور صبح تک وہ اس حد تک ٹھیک ہو چکا تھا کہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

اسی طرح بشارت سلیم نے بتایا کہ ایک عورت جس کو ڈاکٹروں نے لاعلاج قرار دیکر جواب دے دیا تھا۔ ان کے والد اس کی عیادت کے لیے ہسپتال گئے اور ہدایت کی کہ اس عورت کو ہسپتال سے گھر واپس لایا جائے۔ کچھ دنوں کے بعد وہ مکمل طور پر صحت یاب ہو گئی۔

اپنے بارے میں بشارت سلیم نے بتایا کہ ماضی میں وہ سیاست میں دلچسپی رکھتے تھے لیکن انہوں نے سیاسی لوگوں کو بے ایمان پایا۔ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اقتدار کے ذریعہ سے غریبوں کی مدد کی جا سکتی ہے، لیکن اکثر سیاستدان اس اقتدار کو خود اپنے اغراض کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ بشارت سلیم شاعری کرتے ہیں، لیکن اس کے ذریعہ ان کا مقصد روپیہ کمانا نہیں، بلکہ وہ اس رقم کو غریبوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔

انہوں نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ دستور کے مطابق ہر نسل میں سب سے بڑا لڑکا "روضہ بل" کی دیکھ بھال کا ذمّہ دار ہوتا ہے۔ اس میں وہ عمارت شامل ہے جس میں حضرت مسیحؑ کا جسدِ خاکی مدفون ہے۔ ان کے بھائی اس عمارت کے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ بشارت سلیم نے حکومت کو درخواست دی کہ اس عمارت کے اردگرد باغ لگوانے کی اجازت دی جائے، لیکن حکومت نے انکار کر دیا۔ ان کی ذاتی ذمّہ داریاں اس قسم کی ہیں کہ روضہ کی وہ خود دیکھ بھال نہیں کر سکتے۔ اس لیے انہوں نے ایک شخص کو مقرر کیا ہوا ہے جس کو وہ معاوضہ دیتے ہیں تاکہ وہ زائرین کی خدمت کرے۔ بشارت سلیم اکثر اپنے پوتے کو لیکر بھی اس قبر کی زیارت کے لیے جاتے رہتے ہیں۔

صاحبزادہ بشارت سلیم کا نام جو حضرت مسیحؑ کی نسل سے ہیں "کون کون ہے" کے ایشیائی ایڈیشن میں درج ہے۔ ان کے متعلق اس میں یہ درج ہے کہ وہ سری نگر میں ۱۴ اگست ۱۹۳۴ء میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک روزنامہ کے مدیر رہ چکے ہیں اور اب ہوٹل چلاتے ہیں۔ بحیثیت ایک سیاسی رہنما کے ان کو گرفتار کیا گیا اور کئی مرتبہ قید میں ڈالا گیا۔ آخری دفعہ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران میں قید کیا گیا تھا۔

کشمیر سے رخصت ہونے سے ایک دن قبل ہم نے بعد دوپہر کا زیادہ وقت بشارت سلیم سے گفتگو میں گذارا اور رات کا کھانا پروفیسر حسنین کے ساتھ کھایا۔ اسلامی طرز کی نہایت ہی پُرتکلف دعوت کے تین گھنٹے بعد ہمیں خیال آیا کہ ہم اپنا کیمرہ بشارت سلیم کے گھر پر چھوڑ آئے ہیں۔ وہاں جب واپس پہنچے تو پتہ چلا کہ وہ کیمرہ لے کر ہمیں تلاش کرنے نکلے ہوئے ہیں؛ چنانچہ ہم واپس ٹیکسی کی طرف آئے جو پٹرول ختم ہونے کی وجہ سے ۲ فرلانگ دور ہی کھڑی تھی۔ اس طرف جاتے ہوئے ہماری ملاقات بشارت سلیم سے ہوگئی، جو کیمرہ ہاتھ میں لیے گھر واپس آرہے تھے۔ ان سے پتہ چلا کہ ان کو چونکہ صرف اتنا علم تھا کہ ہم جھیل ناگن کی ایک ہاؤس بوٹ میں رہتے ہیں، وہاں پیدل گئے (اکثر کشمیریوں کی طرح ان کے پاس کار نہ تھی) اور جھیل ناگن اور ڈل میں چار گھنٹے تک موسلا دھار بارش میں ایک کشتی سے دوسری کشتی تک ہمارا پتہ کرتے رہے۔ یہ سب کوشش کرنے کے بعد جب کوئی کامیابی نہ ہوئی تو وہ گھر واپس آرہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ بعد میں وہ کیمرہ لے کر ہوائی کمپنی کے دفتر جائیں گے اور اگر ضرورت پڑی تو سیدھا ہوائی اڈہ جائیں گے جو کہ شہر سے کافی دُور ہے۔ اتنی چھوٹی سی

بات کے لیے ان کی اس قدر فکر اس شاندار شخص کے بلند کردار کی آئینہ دار ہے۔ آخر میں یہ مناسب ہوگا کہ اس بات کا ذکر بھی کر دیا جائے کہ بشارت کا مطلب پیغام یا خبر ہے اور سلیم کا مطلب ہے اچھا۔ یہ بات نہایت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ مسیحؑ کی نسل سے زندہ موجود شخص ایسے نام سے موسوم ہو جس کا مطلب خوشخبری ہے" کیونکہ حضرت مسیحؑ کو بھی بائیبل میں "سچائی کی بشارت" کہا گیا ہے۔" (زبور ۴۰: ۹)

حضرت مسیحؑ کی وفات کشمیر میں

"الشیخ الصادق ابی جعفر محمد ابن علی ابن حسین ابن موسیٰ ابن بیلو یہ القومی، مشرقی علوم کے بہت بڑے قلمکار اور مؤرخ تھے۔ یہ شیخ السعید الصادق کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ ان کی وفات ۹۶۲ء میں خراسان میں ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنی شہرہ آفاق کتاب کمال الدین والتمام النعمت فی الاثبات الغائبوت والکشف الحیرۃ جو کمال الدین کے نام سے بھی مشہور ہے' میں یوز آصف کے سفروں کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ کتاب جو مغربی متشرقین کے نزدیک بڑی اہمیت رکھتی ہے، پہلی دفعہ ۱۸۸۲ء میں آغا میر باقر نے سید الصمد پریس' ایران میں چھپوا کر شائع کی، اس کے بعد اس کا جرمن زبان میں ترجمہ ہائیڈل برگ یونیورسٹی کے پروفیسر ملر نے کیا۔ کتاب مذکور کے مصنف نے اس کتاب کے لیے مواد اور تفصیلات اکٹھی کرنے کی غرض سے بہت سے ملکوں کا سفر کیا۔ اس میں زیادہ تر واقعات پر مبنی باتیں درج ہیں۔ ان میں حضرت مسیح کے مشرق کی طرف پہلے سفر (جو سیلون اور دیگر جگہوں کی طرف تھا) اور دوسرے سفر جو کشمیر آ کر اختتام پذیر ہوا سے متعلق تفصیلات موجود ہیں۔ اس کتاب میں مسیحؑ کی ان تعلیمات کا بھی ذکر کیا گیا ہے جن کا آپؑ نے ان سفروں کے دوران میں لوگوں میں پرچار کیا اور یہ تعلیمات تقریباً وہی ہیں جن کا ذکر چاروں انجیلوں میں ملتا ہے۔

ان کے علاوہ سید الصادق ان روایات کا بھی ذکر کرتے ہیں جن کا تعلق حضرت مسیحؑ کی وفات سے ہے۔ ان روایات کے مطابق جن کا ذکر صفحات ۳۵۷، ۳۵۸ پر موجود ہے جب مسیحؑ نے محسوس کیا کہ ان کا آخری وقت قریب ہے، تو انہوں نے اپنے شاگرد دتوما کو بلا بھیجا اور اس سے اپنی آخری خواہش یہ ظاہر کی کہ میرے بعد اس کام کو جاری رکھنا اور یہ کہ عین اس جگہ پر جہاں میرا وصال ہو ایک مقبرہ تعمیر کیا جائے۔ تو ما نے بالکل اسی

طرح کیا جس کی حضرت مسیحؑ نے وصیت کی تھی۔ حضرت مسیحؑ کو اس طریق پر دفن کیا گیا کہ ان کے پاؤں مغرب کی طرف اور سر مشرق کی طرف تھا۔

اسی طرح محمد صلعم سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ ان کی رُوح کو اسی جگہ قبضہ میں لے گا جس جگہ ان کا وصال ہوگا اسی لیے انہیں حضرت عائشہ کے چھوٹے سے حجرہ میں دفن کیا گیا۔ (ملاحظہ ہو کرمبلنگ آف دی کراس صنے)

کشمیر میں حضرت مسیحؑ کی قبر

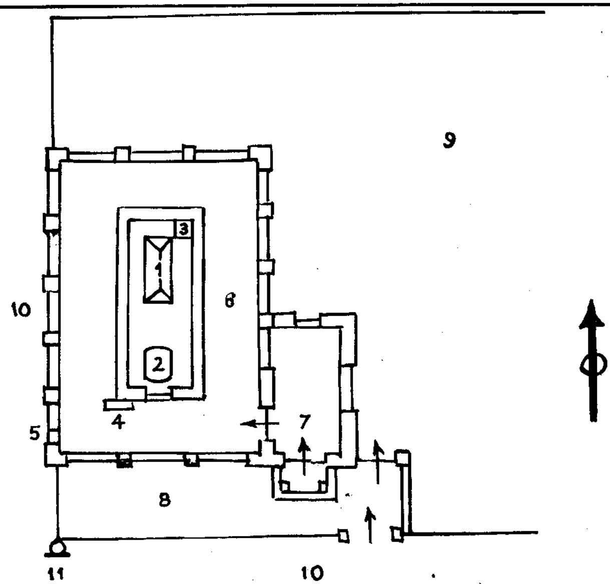
جیسا کہ مشہور ہے، تومانے جو مقبرہ حضرت مسیحؑ کے جسدِ خاکی کے اوپر بنایا وہ کشمیر کے دارالخلافہ سری نگر کے محلہ خانیار میں موجود ہے۔ مقبرہ کے باہر گلی میں ایک کھمبے پر نیلے رنگ کا ایک نوٹس بورڈ آویزاں ہے جس پر سفید الفاظ میں مشہور عام روضہ بل (بصورت ایک لفظ) لکھا ہے جو دو الفاظ روضہ اور بل کو ملا کر بنا ہے۔ نبی کے مقبرہ کو روضہ کہا جاتا ہے اور اس کے بالمقابل ایک ولی کے مقبرہ کو زیارت کہا جاتا ہے۔ عمارت چوکور ہے اور اس سے ملحق ایک چھوٹا سا ہال کمرہ ہے۔ اس کے عقب میں مسلمانوں کا قبرستان ہے جس میں مسلمانوں کے عقیدے اور دستور کے مطابق قبریں شمالاً جنوباً ہیں۔

جب کوئی ہال کمرہ سے گزر کر روضہ بل پہنچتا ہے، (چونکہ یہ جگہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے نزدیک قابلِ احترام ہے) تو اُسے جوتیاں اُتارنا پڑتی ہیں۔ سب سے پہلے وہ برآمدہ میں پہنچتا ہے جو اندرونی کمرہ یا حجرہ کے ارد گرد ہے۔ اس حجرہ میں ایک چھوٹی سی کھڑکی کے ذریعہ داخل ہوا جا سکتا ہے۔ اس کھڑکی یا راستہ کے بائیں طرف لکڑی کا ایک کتبہ ہے جس پر یہ الفاظ لکھے ہیں "زیارت یوز آصف خانیار" اصل کتبہ غائب ہو چکا ہے۔ اسکی جگہ یہ نیا لگایا گیا ہے۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ مقبرہ یوز آصف کی بجائے یہاں زیارت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو اولیاء اللہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا ذکر پہلے کر چکا ہوں۔ باقی عبارت یہ ظاہر کرتی ہے کہ یوز آصف کئی سو سال پہلے وادیٔ کشمیر میں تشریف لائے تھے۔ اور انہوں نے اپنی زندگی سچائی کی تبلیغ کے لیے وقف کی ہوئی تھی۔ موجودہ کتبہ حکومتِ کشمیر کے شعبہ آثارِ قدیمہ نے لگایا ہے۔

حجرہ میں دو قبریں ہیں جنھیں لکڑی کے ایک جنگلے نے گھیرا ہوا ہے۔ دونوں میں سے بڑی



سرینگر کا نقشہ جس میں روضہ بل کے صحیح مقام کو دگھایا گیا ہے جہاں مسیح
کی قبر واقع ہے۔



روضہ بل، مقبرہ یوز آصف (مسیحؑ) کا نقشہ

(۱) یوز آصف (مسیحؑ) کی قبر
(۲) سیّد نصیر الدین کی قبر
(۳) پاؤں کے کندہ نقوش
(۴) لکڑی کی لوح جس پر یوز آصف کے مختصر حالات درج ہیں
(۵) تہہ خانے میں جانے کا راستہ جو اب بند ہو چکا ہے۔ اب صرف ایک چھوٹی سی کھڑکی موجود ہے۔
(۶) گیلری
(۷) مقبرہ میں داخل ہونے سے پیشتر حال کمرہ
(۸) مقبرہ کے باہر کا صحن
(۹) مسلمانوں کا قبرستان
(۱۰) گلی
(۱۱) روضہ بل کا نوٹس بورڈ

قبر مسیحؑ کی ہے جو حجرہ کے پرلے کنارہ پر ہے اور چھوٹی قبر جو دروازہ کے پاس ہی ہے پندرھویں صدی عیسوی کے مسلمان ولی اللہ سید نصیر الدین کی ہے۔ یہ بزرگ مسیحؑ سے بے انتہا عقیدت رکھتے تھے اور ان کی خواہش کے مطابق ان کو مسیحؑ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

دونوں قبروں کا رُخ مسلمانوں کے دستور کے مطابق شمالاً جنوباً ہے، لیکن مسیحؑ کی اصل قبر جو نیچے تہہ خانہ میں ہے۔ یہودی دستور کے مطابق اس کا رُخ شرقاً غرباً ہے۔ مغرب کی جانب سے تہہ خانہ تک گلی کی طرف سے سیڑھیوں کے ذریعہ پہنچا جا سکتا تھا، لیکن اب یہ راستہ بند ہو چکا ہے صرف ایک چھوٹا سا دریچہ اب بھی ہے۔

حجرہ کے شمال مشرقی گوشے میں ایک پتھر ہے جو شمع دان کے طور پر استعمال ہوتا ہے، اس لیے اس پر ہمیشہ موم جمی رہتی تھی، لیکن ایک دن پروفیسر حسنین نے اس موم کو کھرچ کر اُتارنا شروع کیا۔ تو سب سے پہلے مسیحؑ کی صلیب کی صورت میں ایک نقش کندہ نظر آیا۔ پھر ایک تسبیح اور جب سارے پتھر کو اچھی طرح صاف کر دیا گیا، تو اس پر دونوں پاؤں کے نقش نظر آئے، جن میں صلیب کے زخموں کے نشانات نمایاں تھے۔

جب ہم مسیحؑ کے مقبرہ کی زیارت کیلیے گئے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ "نقشِ پا" درحقیقت کسی پرانے نامعلوم سنگتراش کے عمل کا نتیجہ ہیں۔ جہاں تک ان پیروں پر صلیب کے زخموں کے نقوش کا تعلق ہے وہ کسی ایسے شخص نے بنائے ہیں، جو یُوز آصف اور مسیحؑ کو ایک ہی شخص سمجھتا تھا اور ان نقوش کے ذریعہ اس نے اس امر کی شہادت کا اظہار کیا ہے۔

جب بھی ہم روضہ بل گئے نگران ہمیشہ ہمارے ساتھ ہوتا تھا، جس کے پاس تمام کُنجیاں ہوتی تھیں۔ ذیل میں ہم اس گفتگو کو درج کرتے ہیں، جو ہم نے ایسی ہی ایک زیارت کے دوران نگران سے کی۔

س : آپ کیوں روضہ بل کے نگران ہیں؟

ج : یہ خاندانی روایت ہے۔ پہلے میرا باپ تھا، پھر اُس کا باپ اور اُس سے پیشتر اُس کا باپ تھا۔

س : کیا آپ بشارت سلیم کے رشتہ دار نہیں ہیں؟

ج : جی ہاں، میں بشارت سلیم کا دُور کا رشتہ دار ہوں (میں اس امر کی وضاحت کر دُوں کہ بشارت سلیم نے شدّت سے اس کا انکار کیا۔ انہوں نے کہا کہ نگران

محض ان کا ملازم ہے)۔

س : کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ مسیح کی قبر ہے ؟

ج : یہ یوز آصف کی قبر ہے۔

س : کیا تم بتا سکتے ہو کہ دوسری قبر کس کی ہے یعنی دونوں میں سے جو چھوٹی ہے ؟

ج : یوز آصف ایک نہایت بزرگ انسان تھے، اس لیے ان کے لیے صرف ایک لوح مزار کافی نہ تھا، ان کے لیے دو ہونے چاہیے تھے۔ (سرینگر میں دوسرے لوگوں نے ہمیں یقین دلایا کہ دوسری قبر ایک مصری سفیر کی ہے جو پرانے وقت میں کشمیر بھیجا گیا تھا۔ دونوں باتیں درست نہیں۔ نگران کے جوابات ان مخصوص سادہ لوگوں کی طرز پر ہیں، جو کسی عمارت کی نگرانی پر مامور تو ہوتے ہیں، لیکن انہیں جگہ کے تاریخی پس منظر کا بالکل علم نہیں ہوتا)۔

س : آپ کا مذہب کیا ہے ؟

ج : میں مسلمان ہوں۔

س : کن مذاہب کے لیے یہ عمارت متبرک ہے ؟

ج : مسلمانوں، عیسائیوں، یہودیوں اور ہندوؤں کے لیے۔

کہا جاتا ہے کہ قدیم زمانہ سے بہت سے لوگ جن کا تعلق مختلف مکاتیب فکر سے تھا، اس جگہ اظہار عقیدت کے لیے آتے رہے ہیں۔ "روضہ بل" کے ملاقاتیوں کے رجسٹر سے اس بات کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔

س : تمہارے خیال میں سب سے اہم شخصیت کون تھی جو اس جگہ آئی ؟

ج : بہت سے پڑھے لکھے اور پروفیسر حضرات یہاں تشریف لائے، لیکن میرے نزدیک سب سے اہم شخصیت جو روضہ بل کی زیارت کے لیے آئی وہ ہماری وزیراعظم اندرا گاندھی کے چچا تھے۔ فلمی دنیا کے بہت سے ستارے بھی یہاں آ چکے ہیں۔

س : کیا تمہیں یاد ہے کہ کوئی عیسائی پادری بھی یہاں آیا ہو ؟

ج : عین ممکن ہے کہ کوئی آیا ہو، کیونکہ یہاں مختلف عیسائی سکول بھی ہیں، لیکن خاص طور پر مجھے کسی کے متعلق یاد نہیں۔

اس گفتگو کے دوران میں ہمارا ترجمان پروفیسر حسنین کا بیٹا فدا حسنین تھا جس نے قیامِ کشمیر

کے دوران میں زیادہ تر ہماری مدد کی۔

آخر میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کشمیر کے لوگ جو مقبرہ کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور نذرانے چڑھاتے ہیں وہ اس کو حضرت یُوز آصف، یا نبی صاحب، شہزادہ نبی یا حضرت عیسٰی صاحب کا مقبرہ سمجھتے ہیں۔

روضہ بَل کے متعلق عدالتی فیصلہ

حضرت مسیحؑ کے مقبرہ کے نگران کے پاس ایک قدیم عدالتی فیصلہ محفوظ ہے جو اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ قبر یوز آصف یا عیسٰی کی ہے۔ یہ فیصلہ رحمٰن میر کے حق میں سری نگر کے پانچ مفتیوں نے دیا تھا۔ اس پران کے دستخط اور مُہریں موجود ہیں اور تاریخ ۱۷۶۶ئہ درج ہے۔ اور پُورا متن حسب ذیل ہے:

"اس سلطنت کے شعبہ تعلیم و دینی اُمور اور پھر عدالت انصاف میں، رحمٰن میر فرزند بہادر میر نے بیان دیا کہ رؤسا، وزرا، بادشاہ اور دیگر اعلیٰ شخصیتیں اور عوام النّاس تمام اطراف سے یوز آصف نبی، خدا کی اس پر رحمت ہو، کے مقدّس روضہ پر نذر عقیدت پیش کرنے اور نذرانے چڑھانے آتے ہیں اور اس کا یہ پُرزور دعویٰ ہے کہ اسے کلیۃً اختیار ہے کہ وہ ان تمام نذرانوں کو وصُول کرے اور صرف کرے اور کسی کو اس کے متعلق کوئی اختیار نہیں، اس لیے دُوسرے تمام لوگوں کو اس سلسلہ میں مداخلت سے روکا جائے۔

اس سلسلہ میں شہادتیں قلمبند کرنے کے بعد یہ ثابت ہوا کہ راجا گوپا دتا کے دورِ حکومت میں جس نے کوہ سلیمان پر عمارت کو دوبارہ تعمیر کروایا اور کئی مندروں کو تعمیر کیا۔ ایک شخص یُوز آصف نامی آیا۔ وہ ایک شہزادہ تھا۔ اس نے تمام دنیاوی شان وشوکت کو خیرباد کہا اور شریعت پر دار بن گیا۔ وہ دن رات خدا کی عبادت میں مشغول اور کافی دیر تک اکیلے ہی گیان دھیان میں مگن رہتا۔ یہ کشمیر میں عظیم سیلاب کے بعد کا واقعہ ہے۔ جب لوگ بتوں کی پوجا میں لگے ہوئے تھے۔ یوز آصف خدا کی طرف سے بطور نبی اہلِ کشمیر کی اصلاح کے لیے بھیجے گئے تھے۔ وہ خدا کی وحدانیت کا پرچار کرتے رہے یہاں تک کہ موت نے ان کو آلیا اور وہ فوت ہو گئے۔ وہ محلّہ خانیار

یں جھیل کے کنارے اس جگہ دفن کیے گئے جواب روضہ بل کے نام سے مشہور ہے۔
۱۵۴۱ء میں سید نصیر الدین رضوی کو جو امام موسیٰ علی رضا کی اولاد میں سے تھے یوز آصف
کے پہلو میں دفن کیا گیا۔
کیونکہ اس جگہ ہر کس و ناکس، امیر و غریب سب زیارت کی غرض سے آتے ہیں
اور متذکرہ رحمٰن میر اس جگہ کا موروثی نگران ہے اس لیے اس کو اس امر کا اختیار
ہے کہ وہ ان نذرانوں کو وصول کرے جو وہاں چڑھائے جاتے ہیں اور کسی دوسرے
کو ان نذرانوں کا یا ان سے متعلق کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

دستخط

۱۱ر جمادی الثانی ۱۱۸۴ھ ہجری (۱۷۶۶ء عیسوی)

دستخط اور مہر

ملا فضل	مفتی اعظم
عبدالشکور	مفتی اعظم
احمد اللہ	مُفتی
محمد اعظم	مُفتی
حافظ احسان اللہ	مُفتی

دستخط اور مہر

محمد اکبر	خادم
رضا اکبر	خادم
خضر محمد	خادم
حبیب اللہ	خادم

لداخ ۔ حضرت مسیحؑ اور عیسائیوں کی سرزمین

لداخ جو جموں کشمیر کی ریاست کے مشرقی حصّہ میں واقع ہے اور دنیا میں سب سے زیادہ آبادی والے علاقوں میں شمار ہوتا ہے ۔ اس کے دروازے غیر ملکیوں کے لیے حال ہی میں کھولے گئے ہیں ، یہ وہ سرزمین ہے جہاں زمین اور آسمان ملتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ۔ جہاں وسیع ریگستان اور گرینائٹ پتھر کے اونچے اور سیاہ پہاڑ ہیں ۔ لیہہ اس علاقہ کا دارالخلافہ ہے جو ہمس کے بدھ راہب خانہ سے چند میل کے فاصلے پر ہے جہاں نکولائی نوٹووچ کو وہ مسودات ملے جن میں مسیحؑ کے ہندوستان ، سیلون اور کشمیر کی طرف پہلے مشرقی سفر کا ذکر ہے ۔

لیڈی ہنریئٹا میرک نے اپنی کتاب " ان دی ورلڈز اٹیک " ص۲۱۵ میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ہمس کے بدھ راہب خانہ میں تبتی اور پالی زبان میں ایسے مسودات موجود ہیں جن میں اُس زمانہ کے متعلق ذکر موجود ہے جب مسیح لیہہ میں تھے جہاں ان کا پُرتپاک استقبال کیا گیا اور انہوں نے لوگوں کو نیکی کی تلقین کی ۔

لداخ اور اس کا ہمسایہ تبت وہ علاقے ہیں جن کو اوائل کے عیسائیوں نے انتخاب کیا ۔ لیہہ سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر ٹنگسی کے مقام پر ایسی چٹانیں موجود ہیں جن پر قدیم نسطورین فرقہ کے عیسائیوں نے عبارتیں کندہ کی تھیں ۔ اس فرقہ کے لوگ صوفی طرز کے لوگ تھے جو شام سے آکر ٹانکسی میں آکر آباد ہو گئے تھے ۔ ان عبارتوں کے ساتھ ساتھ سینٹ جارج کے صلیب بھی کندہ ہیں ۔

یہ بات غور طلب ہے کہ نسطورین عیسائی ، جن کا بانی نیسٹوریس ۴۲۸ء تا ۴۳۱ء قسطنطنیہ میں کلیسا کا سربراہ تھا ، خاص طور پر یہاں آکر آباد کیوں ہوئے ۔ نسطوری عیسائی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مسیح کی دو الگ الگ فطرتیں تھیں (انسان اور خدا کا بیٹا) اور ان کی خدائی فطرت نے انسانی جسم میں صرف ایک قسم کی " سکونت اختیار " کر رکھی تھی ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی نسطوری یہ بھی مانتے ہیں کہ حضرت مریم انسانی مسیحؑ کی والدہ تھیں ، نہ کہ خدائی مسیحؑ کی ۔ اس عقیدہ کو کونسل آف ایفیسس نے ۴۳۱ء میں غلط قرار دیا ، لیکن کیتھولیکوس کی سربراہی میں ایران کے قومی کلیسا نے اس کو دوبارہ اختیار کر لیا ۔ اس کے علاوہ اس عقیدہ کو ہندوستان میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی جہاں نسطوریوں نے سینٹ توما

کے عیسائیوں سے باہم تعلقات پیدا کر لیے تھے۔ اسی طرح ترکستان، چین اور منگولیا کے لوگوں میں بھی اس عقیدہ کو کامیابی حاصل ہوئی، لیکن تیمور لنگ کے ہاتھوں اس فرقہ کو سخت مصائب و تکالیف پہنچیں اور عملی طور پر اس کو ختم کر دیا گیا۔ سولھویں صدی عیسوی میں چالدیہ کے نستوری عیسائیوں نے روم کے کلیسا سے اتحاد کر لیا، لیکن ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء میں ان کو ترکوں کے ہاتھوں ایک دفعہ پھر ظلم و تشدد برداشت کرنے پڑے۔ اس سے جو بچ نکلے شاید وہ اب شمالی عراق میں پائے جاتے ہیں۔

نستوریوں کے بارہ میں فرانسیسی مصنفہ مارسلے لالو اپنی کتاب "لی ریلیجن دو تبت" (۱۹۵۷ء) میں لکھتی ہیں کہ قرونِ وسطیٰ کے دوران نستوری تبتی قبیلوں سے رابطہ قائم کر سکتے تھے جنھوں نے ایشائے وسطیٰ میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھے اور اپنی حکومت قائم کرنے کی کوشش میں تھے۔ چین ڈو ویلیر ایک چینی عبارت کا حوالہ دیتا ہے جو ایک پتھر پر کندہ ہے اور اسوقت ٹوکیو کے اوینو عجائب گھر میں محفوظ ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک چینی جرنیل جو نستوری عیسائی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا اور چالدیہ خیالات رکھتا تھا، اس نے تبتی قبیلوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کی، جن پر اُس نے ۶۵۶ء سے ۶۶۱ء تک حکومت کی۔

چالدیہ مکتبۂ فکر کی مذہبی رُسومات کے ذریعہ سے خاص تبت میں ڈرانگسے کے مقام پر عیسائی مذہب کے نشانات ملتے ہیں۔ یہ مقام پانگ کانگ کی جھیل کے نزدیک اور لہاسہ کی تجارتی گذرگاہ پر واقع ہے، وہاں پتھر پر کندہ تین چالدی صلیبوں کا پتہ چلا ہے۔ جن کے ساتھ دوسری زبانوں میں بھی عبارتیں لکھی ہوئی ہیں۔ ان کو پڑھا نہیں جا سکا، لیکن جو سوگدین زبان میں لکھی ہیں ان میں حضرت مسیحؑ کا نام اور سنہ درج ہیں جو عیسوی سن کے حساب سے ۸۲۵ یا ۸۲۶ ہے — سوگدین ایک قدیم زبان ہے جو سمرقند کے علاقہ میں بولی جاتی تھی۔

تبت میں چالدی جماعت کے لوگ خاصی اہمیت رکھتے ہوں گے۔ اس کا اندازہ مذہبی رہنما تیمھس اول کے دو خطوط سے لگایا جا سکتا ہے جن میں وہ تبتی عیسائیوں کا ذکر کرتا ہے اور اس بات پر رضامندی کا اظہار کرتا ہے کہ ایک میٹروپولیٹن بشپ کو "تبتی لوگوں کے ملک" کے لیے مخصوص کرے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تبت میں مستحکم کلیسا موجود تھا جس کے تحت متعدد پادری کام کرتے تھے۔

عیسائی عقائد کے بارہ میں ایک دلچسپ شہادت جس کا ذکر مارسلے لالو اپنی کتاب میں کرتی ہے اس کا پتہ اس اہم بُدھ مسوّدہ سے چلتا ہے جو ٹین ہو آنگ کے مقام پر ہزاروں بودھوں کے غارنما سرد خانوں سے 'پیلیٹ' کو ملا۔ یہ مسوّدہ جس کا عنوان "موت کے راستہ کا انکشاف : دیوتاؤں کے خدانما مسکنوں کا رہبر" جو ۸۰۰ئہ اور ۱۰۳۵ئہ کے درمیان لکھا گیا، لیکن یہ مسوّدہ پہلے سے لکھی ہوئی عبارتوں سے ترتیب دیا گیا ہے۔ اس میں بودھی ستوؤں کی عبادت اور دعاؤں کے ذریعہ سے مُردوں کی نجات کا ذکر ہے جو گویا ایک لحاظ سے 'کرم' کے سخت قانون میں رحم اور عفو کو بھی شریک کر دیا گیا ہے، جس کی رُو سے انسان کی موجودہ زندگی کے اعمال اس کی آئندہ زندگی کے نتائج متعین کرتے ہیں۔ مارسلے لالو کا کہنا ہے کہ اس کے پیشِ نظر یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اس دستاویز میں عیسائی عقیدہ کفارہ کے نشانات کا پتہ چلتا ہے۔" بدھ مت اور عیسائیت میں مزید مشترک علامتوں پر بحث آئندہ کسی باب میں کی جائے گی۔

سندھیمان کی صلیبی موت

ہندوستان کی طول و طویل تاریخ میں صرف ایک ہی شخص کو صلیب دیے جانے کا پتہ چلتا ہے اور عجیب و غریب بات یہ ہے کہ یہ واقعہ سرینگر میں ہوا۔ یہ واقعہ بارہویں صدی کے "راج ترنگنی" میں درج ہے، جو سنسکرت زبان میں پنڈت کلہانہ نے لکھی تھی اور وہ اس واقعہ کو مسیح پر چسپاں کرتا ہے۔

"سان عیسانہ (یسوع) کشمیر میں ڈل جھیل کے کنارے ایلیشبر کے مقام پر رہتا تھا۔ وہ ایک مشہور و معروف ولی صفت انسان تھا۔ ہر کوئی اس کے وعظ و نصیحت کو سنتا تھا اور اس کے بہت سے پیروکار تھے۔ اس کے ممتاز شاگردوں میں سے ایک سندھیمان، جو ساندیمہ متی کے نام سے بھی مشہور تھا، دس سال کے لیے قید میں ڈال دیا گیا اور بالآخر اس کو صلیب دیدی گئی۔ سان عیسانہ اس وقت موجود تھے اور انہوں نے ان تین فقرات کو دیکھا جو سندھیمان کی پیشانی پر لکھے ہوئے تھے۔

۱۔ یہ شخص نہایت انکساری سے زندگی گزاریگا۔
۲۔ اس کو دس سال کے بعد صلیب دی جائے گی۔
۳۔ زندہ جی اُٹھنے کے بعد وہ بادشاہ بنے گا۔

سندہیمان کو ایک جنگلے کے اندر صلیب دی گئی اور بہت سے لوگ اس موقع پر موجود تھے۔ رات کے وقت نیک عورتیں اس کے پاس گئیں اور اس کے گرد جمع ہوگئیں۔ سان عیسانہ بہت غمگین ہوئے وہ اس جگہ تک گئے اور تیسرے دن سندہیمان زندہ ہوگئے۔ لوگ حیرانی کے عالم میں اس کو دیکھنے کے لیے آئے اور اسے کشمیر کا تخت پیش کیا۔ اس نے لوگوں کی پیشکش کو ٹھکرا دیا، مگر لوگ وہاں سے نہ گئے اور آخر کار اس نے ان کا بادشاہ ہونا منظور کرلیا۔"

مصنّف آگے چل کر لکھتا ہے کہ صلیب دیے جانے کی یہ غیر معمولی تفصیل اپنی نوعیت کی واحد مثال ہے جو کشمیر کی قدیم تاریخ میں ملتی ہے کیونکہ ایک لحاظ سے یہ خاص توجہ کا مستحق ہے کہ یہ مسیحؑ کے واقعہ صلیب سے تقریباً ملتا جلتا ہے۔

مصنّف کا کہنا ہے کہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ مشہور ولی صفت بزرگ عیسانہ سوائے حضرت مسیحؑ کے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ یہ بھی قابلِ غور ہے کہ عیسانہ بھی ایشبر کے مقام پر رہتا تھا (جس سے مراد "مقام عیسیٰ" ہے) اور اسی کے ذریعہ سندہیمان کو دوبارہ زندگی نصیب ہوئی۔ اس واقعہ کی تفصیلات کشمیر کی دیگر تاریخی کتابوں میں بھی موجود ہیں۔

سلسلہ وار تاریخی شواہد

سلسلہ وار تاریخی واقعات سے ثابت کرنے کے لیے کہ یوز آصف درحقیقت حضرت مسیحؑ ہی تھے۔ یہ ضروری ہے کہ ان کی کشمیر میں آمد اور وفات کے زمانہ کا تعیّن کیا جائے۔ اس کے لیے ان بادشاہوں گونڈا فراس، گوپا داتا اور شالباہن کے دورِ حکومت کے عرصے کا تعیّن کیا جائے۔

پرانی کندہ عبارتوں اور سکّوں کے علاوہ ایک اور ذریعہ جو اس سلسلہ میں صحیح رہنمائی کرتا ہے وہ "راج ترنگنی" ہے جو مشہور تاریخ دان پنڈت کلہانہ نے سنہ ۱۱۴۸ء اور سنہ ۱۱۴۹ء میں مرتب کی تھی۔ یہ سب سے قدیم تاریخی دستاویز ہے جس میں اوائل زمانہ سے لے کر ان تمام سلطنتوں اور فرمانرواؤں کے سلسلوں کا ذکر ہے جو کشمیر پر حکمران رہے یا جن کا اس سے تعلق رہا۔ کلہانہ نے جن قدیم تاریخی ذرائع سے استفادہ کیا وہ اب نایاب ہوچکے ہیں اور اس کے بعد میں آنے والے ہندو اور مسلمان مؤرخین نے ابتدائی دور کے واقعات کی شہادت کے لیے زیادہ تر کلہانہ پر ہی انحصار کیا ہے۔

راج ترنگنی کے پہلے تین ترنگ (باب) زیادہ تر روایات پر مبنی ہیں لیکن چوتھے

کی بنیاد مستند تاریخی حقائق پر ہے۔ فلیٹ، فرگوسن، لاسین، لیوی، پرنسپ، ولفرڈ اور ولسن جیسے مشہور تاریخدانوں نے کلہانہ کے سلسلہ وار تاریخی واقعات کی صحت کے بارہ میں مختلف طریق پر جانچ پڑتال کی ہے اور اپنی تحقیقات کو بھی کہس نے اور کب تک حکومت کی، اس کے تاریخی ذخیرہ کی روشنی میں جانچا ہے۔ بدقسمتی سے قدیم ہندوستان کی تاریخ کی بنیاد زیادہ تر روایات اور بہت سے غیر مرئی تصوراتی وجود جیسے (بدارواح) وغیرہ پر ہے۔ متذکرہ بالا مغربی مؤرخین ایسی مشکلات پر سخت پریشان ہو جاتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ جن زمانوں کا حوالہ قدیم ذرائع سے دیا جاتا ہے اور ان میں ایک ہی قسم کے متعدد واقعات کا ذکر پایا جاتا ہے، ان میں سے اکثر نہایت معمولی قسم کے ہوتے ہیں۔

ذیل کے تقابلی جائزہ میں ان زمانوں کی تاریخ وار فہرست دی جاتی ہے جن سے ہمیں یہاں واسطہ ہے۔ خواجہ نذیر احمد کے حساب کی رو سے ان واقعات کا تعلق I اور ۱۹۵۰ء سنہ عیسوی سے ہے (یہود اور مسلمانوں کی تاریخ اور سنہ میں کوئی شک و شبہ نہیں)

	سال	سال
سنۂ عیسوی	۱	۱۹۵۰
سنۂ یہود	۴۰۰۴	۵۹۵۴
سنۂ کلجگ	۳۱۰۱	۵۰۵۱
سنۂ لوکیکا	۳۰۷۶	۵۰۲۶
سنۂ بکرمی	۵۷	۲۰۰۷
سنۂ شالباہن	-۷۸	۱۸۷۷
سنۂ ہجری	-۶۲۲	۱۳۶۹
سنۂ کشمیری	-۱۳۲۴	۶۲۶

اس کی بنیاد پر اب آئیے ان واقعات کی تاریخوں کا حساب لگائیں جن کا تعلق مسیح یا یوز آصف کی زندگی سے ہے۔ اس جگہ ہم خواجہ نذیر احمد کی اکٹھی کی ہوئی شہادتوں سے استفادہ کرتے ہیں۔

سب سے پہلے ہم مسیح اور توما کے ٹیکسلا میں قیام کو لیتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ توما کی انجیل کی رو سے یہ گونڈافراس کی بادشاہت کے زمانہ کا واقعہ ہے۔ ایک قدیم کندہ عبارت جو

ٹیکسلا سے ملی ہے اور اب لاہور کے عجائب گھر میں محفوظ ہے، حسب ذیل ہے "سال ۲۶ میں عظیم بادشاہ گونڈافراس، سام ویت سال ۱۰۳ میں، بساکھ کے مہینہ کے چوتھے دن" (دی آرکیالوجیکل رپورٹس آف انڈیا ۱۹۰۳-۴ء) کیونکہ عبارت نامکمل ہے، اس لیے یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کس واقعہ کے سنہ اور تاریخ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ ابداگیسس کی شادی کا ہو جس میں حضرت مسیح اور توما نے ٹیکسلا کے مقام پر شرکت کی۔ سال سام ویت اور بساکھ کے مہینے کے ذکر میں یہ اشارہ موجود ہے کہ اس وقت سنہ بکرمی استعمال کیا جاتا تھا جو ۵۷ء قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ واقعہ جس کی یادگار اس کندہ عبارت کے ذریعہ قائم کرنا مقصود تھی ۴۶ء عیسوی کا ہے اور گونڈافراس کا زمانہ حکومت تقریباً ۲۰ء ہے۔ پروفیسر ریپس اپنی کتاب "اینیشینٹ انڈیا" (قدیم ہندوستان) کے صفحہ ۱۷۴ پر اس امر کی تصدیق کرتے ہوئے گونڈافراس کے دورِ حکومت کا زمانہ ۲۱ء سے ۵۰ء تک کا بتاتا ہے۔ اسی طرح دی۔ اے سمتھ اپنی کتاب "ارلی ہسٹری آف انڈیا" صفحہ ۲۱۷ پر اس واقعہ کو تقریباً ۲۰-۲۶ سنہ عیسوی بتاتا ہے اور اس سے مسیح اور توما کے قیام کے زمانے کا تعین ۶۰ء سے قبل اور تقریباً ۵۰ء کے لگ بھگ ہوتا ہے۔

آیئے دیکھیں کہ سرینگر کے نزدیک وائین کے مقام پر حضرت مسیح کی بادشاہ شالباہن سے ملاقات کب ہوتی ہے۔ اس کا تعین کرنے سے پیشتر ہمیں اس کے تاریخی پس منظر کا جائزہ لینا ہوگا۔ تقریباً ۶۰ء میں کاڈفیسس اول نے شمالی ہندوستان کی حکمرانی سنبھالی (دی اے سمتھ صہ ۲۳۵) پرشورہ (پشاور) میں اس حکمران کے نمائندہ کنشک نے کشمیر کی علمداری حاصل کرلی اور کچھ عرصہ کے بعد ۷۳ء میں کاشغر کے حکمرانوں نے بھی کاڈفیسس اول کی حکمرانی کو تسلیم کرلیا۔ کاڈفیسس اور کنشک نے بھی ان ملکوں کے حکمرانوں کو تخت سے محروم نہیں کیا۔ انہوں نے صرف اس امر پر ہی اکتفا کیا کہ ان علاقوں کے حکمران خراج ادا کرتے رہیں، کیونکہ ان کا اصل مقصد ایشائے وسطیٰ تھا۔

اس زمانہ میں شالباہن سکتوں کے خلاف برہمنوں کا سب سے بڑا حامی تھا (اینشینٹ انڈیا صہ ۵۸۲) اس نے سکتوں کو کشمیر سمیت شمالی ہندوستان سے نکال دیا اور ۷۸ء کے قریب کشمیر سے جنوبی ہندوستان کے علاقہ دکن کی طرف روانہ ہوا، تاکہ وہاں بغاوت کو فرو کرے۔ اس نے سکتوں پر فتح کی خوشی میں اپنے نام سے ایک نئے سال سنہ شالباہن جاری کیا۔

(جنوبی ہندوستان میں اسے شکا سنہ کہا جاتا ہے) یکم بیساکھ کلجگ ۳۱۷۹ سنہ کو شروع ہوا۔ جو عیسوی سنہ کے حساب سے ۱۴ مارچ ۷۸ء بنتا ہے۔

(ہسٹری آف انڈیا از جے آیچ۔ وہیلر صفحہ ۲۳۹)

اس سے صاف ظاہر ہے مسیحؑ کی بادشاہ شالباہن سے ملاقات قریبی زمانہ میں ہوئی ہو گی اور اس کا تعین تقریباً ۸۰ء ہوتا ہے۔

اب ہم تخت سلیمان کے ستونوں پر کندہ ان عبارتوں کی طرف آتے ہیں جن کا ذکر ملّا نادری نے اپنی کتاب "تاریخ کشمیر" میں کیا ہے ان کندہ عبارتوں سے ان ستونوں کی تعمیر اور مسیحؑ کی وادیٔ کشمیر میں موجودگی کے متعلق جس سنہ کا پتہ چلتا ہے وہ ۵۴ء یا ۱۵۴ء ہے جیسا کہ پیرزادہ غلام حسن نے اپنی کتاب "تاریخ حسن جلد ا" میں تجویز کیا ہے۔ یہ عبارتیں خطِ ثلث میں لکھی ہوئی ہیں نہ کہ خطِ نستعلیق میں جو علی تبریزی نے ۱۳۹۸ء میں ہندوستان اور افغانستان میں رائج کیا تھا؛ چنانچہ ان عبارتوں سے واضح نہیں ہوتا کہ کون سے سنہ کو استعمال کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں تمام متبادل سنوں کو دیکھنا ضروری ہے۔ خواجہ نذیر احمد نے اپنی کتاب میں ذیل کی فہرست درج کی ہے:

اسلامی سنہ	ا = ۶۲۲ عیسوی	۵۴ = ۶۷۶ء
		۱۵۴ = ۷۷۶ء
کشمیری سنہ	ا = ۱۳۲۴ عیسوی	۵۴ = ۱۳۷۸ء
		۱۵۴ = ۱۴۷۸ء
شالباہن سنہ	ا = ۷۸ عیسوی	۵۴ = ۱۳۲ء
		۱۵۴ = ۲۳۲ء
بکرمی سنہ	ا = ۵۷ قبل مسیح	۵۴ = ۳ قبل مسیح
		۱۵۴ = ۹۷ء
لوکیکا سنہ	ا = ۳۰۷۶ قبل مسیح	۳۰۵۴ = ۲۲ قبل مسیح
		۳۱۵۴ = ۷۸ء
کل جگ سنہ	ا = ۳۱۰۱ قبل مسیح	۳۰۵۴ = ۴۷ قبل مسیح
		۳۱۵۴ = ۵۳ء

(جیسا کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ اس امکان کے پیش نظر کہ لوکیکا یا کلجگ سنہ استعمال کیا گیا ہو ۳۰۵۴ سنہ یا ۳۱۵۴ سنہ کو امکانی سنہ کے طور پر لیا گیا ہے)

میجر کول اپنی کتاب "السٹریشنز آف اینشینٹ بلڈنگز اِن کشمیر" کے صفحہ ص۵ پر لکھتے ہیں کہ اس کے متعلق انہوں نے کوئی دلیل نہیں دی کہ مذکورہ سال سے مراد ۱۰۵۴ سنہ ہجری ہے یعنی ۱۶۷۶ء عیسوی۔ پنڈت رام چند کاک بھی اسی خیال کے حامی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مذکورہ نقوش مغل بادشاہ شاہجہان کے زمانے میں بنائے گئے تھے (اینشینٹ مونومینٹس آف کشمیر ص۴۰) اگرچہ ایسا کوئی دستاویزی ثبوت موجود نہیں جس سے یہ پتہ چل سکے کہ تخت سلیمان کی کبھی مرمت کا کام ہوا ہو اور کوئی مؤرخ بھی اس بات کی وجوہات نہیں دیتے کہ کیوں خطِ نستعلیق استعمال نہ کیا گیا؛ حالانکہ کشمیر میں اس زمانہ میں تمام عبارتیں اسی خط میں لکھی جاتی تھیں۔

چوہدری خواجہ حسن ملک کا بھی یہی خیال ہے کہ مذکورہ سال سنہ ہجری ہے لیکن ان کے نزدیک یہ ۵۴ سنہ ہجری ہے یعنی ۶۷۶ء (تاریخ کشمیر) یہ اندازہ مناسب ترین معلوم ہوتا ہے اگر انھوں نے یہ نہ لکھا ہوتا کہ تخت سلیمان کے ستون غازی شاہ چک کے زمانہ میں تعمیر کیے گئے تھے، کیونکہ چکوں کا کشمیر میں اثر و نفوذ ۱۵۵۴ عیسوی کے بعد شروع ہوتا ہے۔

سلطان زین العابدین کے دربار کے مشہور مؤرخ ملّا احمد اس معاملہ میں زیادہ واضح طور پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ان کے کہنے کے مطابق کشمیری سنہ سلطان شمس الدین کے زمانہ میں رائج ہوا۔ سلطان صدرالدین جس نے "عہد رتن جو" سے اس کی ابتدا کی۔ یہ پہلا کشمیری حکمران تھا جس نے اسلام قبول کیا۔ اس درمیانی مدت میں اسلامی سنہ استعمال ہوتا رہا۔ اس سے پیشتر عام طور پر ہیپتراکیش وارن یا لوکیکا سنہ استعمال ہوتا تھا۔ پنڈت کلہانہ نے بھی اپنی تحریرات میں لوکیکا سنہ کو استعمال کیا ہے۔

پیرزادہ غلام حسن کشمیری سنہ کو ترجیح دیتے ہیں اور مذکورہ کتبوں کا زمانہ سلطان زین العابدین کا دورِ حکومت بتاتے ہیں، جو کہ ناممکن ہے، کیونکہ کشمیری سنہ ۵۴ اور ۱۵۴ سنہ عیسوی کے مطابق ۱۳۷۸ اور ۱۴۷۸ ہوتے ہیں۔ یہ دونوں زمانے ۱۴۲۴ء کے زمانہ میں نہیں آتے۔ ہمیں علم ہے کہ زین العابدین نے ایک مندر کی مرمت کروائی تھی، لیکن اس کا نام پنج مکھیا (پانچ دروازوں والا) تھا جو کہ سرینگر میں ہی تھا لیکن

وہ تختِ سلیمان نہ تھا۔

مختلف متبادل امکانات بے ثبوت ہیں یا جو شواہد ان کی حمایت میں پیش کیے گئے وہ بعد میں غلط ثابت ہوئے؛ تاہم ملّا احمد کے اشارات کی مدد سے اور دیگر کشمیری مؤرخین کی مذکورہ مرمت سے متعلق فراہم کردہ تفصیلات سے یہ ممکن ہے کہ کسی صحیح مفروضہ پر پہنچا جا سکے کہ کب یہ وقوع پذیر ہوا اور ستونوں کی تعمیر ہوئی۔

مؤرخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مرمت کا کام گوپا دتہ (گوپا نندا) کے دورِ حکومت میں ہوا۔ اس سے متعلق تفصیلات ذیل کی کتب میں موجود ہیں:

تاریخ کشمیر از ملا نادری، وجیز التواریخ جلد ۱ صفحہ ۳۶ از مفتی غلام نبی خانیاری، خلاصۃ التواریخ از مرزا سیف الدین بیگ۔ اس کی مزید تصدیق پنڈت نرائن کول عاجز کی کتاب تاریخ کشمیر سے ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"ہزاروں سال پیشتر راجہ گوپا دانہ نے کوہِ سلیمان پر عبادت گاہ کی مرمت حیدر ملک کے ذریعہ کروائی۔ جو خود اپنی تاریخ کشمیر میں لکھتا ہے: کہ راجہ گوپا دانہ نے کشمیر میں بہت سے مندر بنوائے اور تختِ سلیمان کی مرمت کروائی۔ دو ہزار سال گذر گئے ہیں، لیکن عبادت گاہ ابھی تک قائم ہے۔ اس نے ستّر سال تک حکومت کی۔

اور تاریخ جدول میں اس واقعہ کو یوں درج کیا گیا ہے:

"اس (گوپا دانہ) نے کوہِ سلیمان پر عبادت گاہ کی مرمت کروائی جسے زشی شور کہا جاتا ہے۔ سانڈیمان (سلیمان) گوپا دانہ کا ایک وزیر تھا اور اس کے سپرد اس عبادت گاہ کو اپنی اصلی صورت میں لانے کا کام کیا گیا تھا"۔ پیرزادہ غلام حسن بھی یہی کہتے ہیں کہ اس عبادت گاہ کی مرمت راجہ گوپا دانہ کے زمانہ میں ہوئی، لیکن جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ان کندہ عبارتوں کے متعلق وہ جس نتیجہ پر پہنچے ہیں، وہ صحیح نہیں۔

سانڈیمان یا سلیمان ایرانی تھے، مگر شامی الاصل تھے۔ اغلباً یہی وجہ ہے کہ کندہ عبارتیں خطِ ثُلث میں ہیں، جو ایران سے شروع ہوا۔

ہمارا اگلا قدم یہ ہوگا کہ اس بات کا تعین کریں کہ گوپا دانہ نے کشمیر میں کب حکومت کی ولسن کا اندازہ ہے کہ گوپا دانہ کا دورِ حکومت ۴۲ء قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے، لیکن وہ اپنے حساب میں ۱۳۱ سالوں کی غلطی کر جاتا ہے۔ وہ اس سلسلہ میں تین حکومتیں جن کی مدت

تقریباً چورانوے سال بنتی ہے چھوڑ جاتا ہے اور اسی طرح ۲۵ سال اور چار سال کی غلطی بالترتیب سنہ لوکیکا اور سنہ کلجگ کی رُو سے حساب بناتے ہوئے کرجاتا ہے۔ اسی طرح وہ کشمیر کے گوپادانۃ کو گندھارا کے گوپادانۃ سے خلط ملط کر جاتا ہے۔ ان سالوں کے فرق کی وجہ سے مؤخر الذکر غلطی ہوئی ہے۔ گوپادانۃ نے ساٹھ سال اور دو ماہ حکومت کی۔ ولسن کی غلطیوں کے لیے گنجائش چھوڑتے ہوئے گوپادانۃ کی حکومت کا زمانہ ۴۹ء عیسوی سے ۱۰۹ء تک بنتا ہے۔ تختِ سلیمان پر کندہ عبارت کے ممکنہ سنہ کے متعلق پڑتال کرتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ بکرمی سنہ ۱۵۴ (۹۷ عیسوی) اور لوکیکا سنہ ۳۱۵۴ (۷۹ عیسوی) مذکورہ زمانے میں آتے ہیں۔ زیادہ امکان لوکیکا سنہ کا دکھائی دیتا ہے، کیونکہ یہ ملّا احمد کے سنہ معلوم کرنے کے طریقوں سے جو کشمیر میں رائج ہیں مطابقت رکھتا ہے۔ ۹۷ء یوز آصف یا مسیحؑ کے سلسلہ میں بعید از قیاس اور کافی بعد کا زمانہ متعین کرتا ہے۔

آخر میں ہم مسیحؑ کی تاریخ پیدائش کو لیتے ہیں۔ روایتی تاریخ پیدائش تو ۱ء عیسوی ہے۔ لیکن شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ یہ پیدائش چند سال بیشتر ہوئی تھی۔ ڈاکٹر ہربرٹ ہاگ اپنی بائیبل کی لغت میں اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ زیادہ امکان یہ ہے کہ تاریخ پیدائش ۶ یا ۷ قبل مسیح ہے۔ گو اس سلسلہ میں مختلف اندازے ہیں، لیکن یہ حقیقت سے دُور نہیں۔

مذکورہ بالا سلسلہ وار تاریخی واقعات اور مسیحؑ کی دوسری زندگی سے متعلق جملہ تفصیلات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ مسیحؑ کافی عمر رسیدہ تھے، جب اُنہوں نے مشرق کا سفر مکمل کیا اور ان کی وفات بڑھاپے میں ہوئی۔ اگر ہم نے شالباہن سے ان کی ملاقاتوں کا تعین صحیح طور پر کیا ہے، تو اس (بادشاہ) نے (۷۸ء میں تقریباً بچاسی سالہ بزرگ سے ملاقات کی تھی۔

باب ۵

حضرت موسیٰؑ کشمیر میں مدفون ہیں

"اور اس نے اسے مواب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل دفن کیا پر آجتک کسی آدمی کو اس کی قبر معلوم نہیں۔"

(استثنار ۳۴: ۶)

"مجھے بتاؤ! کیا موسیٰ کا جسدِ خاکی مشرق میں ایک دُور کی جگہ پر دفن نہیں ہے؟"

(سینٹ جان کرسوسٹم، ہومیل ۲۶ تفسیر عبرانیوں ۴)

باب استثنار میں مندرج سرگزشت کے مطابق حضرت موسیٰؑ جو اسرائیلیوں کو مصر سے لیکر نکلے تھے انھیں موعودہ سرزمین میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی گئی تھی۔

"اور اسی دن خداوند نے موسیٰؑ سے کہا کہ تو اس کوہ عباریم پر چڑھ کر نبو کی چوٹی کو جا جو یریحو کے مقابل ملکِ موآب میں ہے اور کنعان کے ملک کو جسے میں میراث کے طور پر بنی اسرائیل کو دیتا ہوں دیکھ لے اور اسی پہاڑ پر جہاں تو جائے وفات پاکر اپنے لوگوں میں شامل ہو جیسے تیرا بھائی ہارون ہور کے پہاڑ پر مرا اور اپنے لوگوں کو جا ملا۔ اسلئے تم دونوں بنی اسرائیل کے درمیان دشت صین کے قادس میں مریبہ کے چشمہ پر میرا گناہ کیا کیونکہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان میری تقدیس نہ کی۔ سو تو اس ملک کو اپنے آگے دیکھ لے گا، لیکن تو وہاں اس ملک میں جو میں بنی اسرائیل کو دیتا ہوں جانے نہ پائیگا۔"

(استثنار ۳۲: ۴۸-۵۲)

بائیبل کے عالموں نے حضرت موسیٰؑ کی وفات سے متعلق جگہوں کی صحیح صحیح نشاندہی نہیں کی ہے۔ پیک نے بائیبل کی تفسیر کرتے ہوئے اس سلسلہ میں لکھا ہے کہ ان مذکورہ مقامات کا قطعی طور

پر کوئی پتہ نہیں، لیکن حیرانی کی بات ہے کہ اسی طرح کے نام کشمیر میں ملتے ہیں۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ وہاں (کشمیر میں) موسیٰ کی قبر اور دیگر ایسی جگہوں کا پتہ چلتا ہے، جن کے نام بائیبل میں مندرج ناموں سے قریب قریب ملتے ہیں۔ بیت فغور (استثنار ۳۴: ۶، ۴: ۴۶) کا مطلب داخل یا جاری ہونے کی جگہ یا گھر ہے (ملاحظہ ہو فہرست مضامین از کروڈن)۔

دریائے جہلم جو فارسی میں بیہت اور کشمیری میں وہاث کہلاتا ہے۔ جھیل وولر سے بندیپور یا بانڈیپور سے نکلتا ہے جو پہلے بیہت پور کہلاتا تھا۔ (راج ترنگنی جلد ہشتم)

حسبون (استثنار ۴: ۴۶) مچھلی کے تالابوں کے لیے مشہور تھا۔ (غزل الغزلات ۷:۴) کیشمیر میں بھی ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جس کا نام حسبنہ (ہسنزبل) ہے جو مچھلیوں سے بھری ہوئی جھیلوں کے لیے مشہور ہے۔ بانڈی پور سے شمال کی طرف تقریباً ۱۲ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ استثنار ۴: ۴۹ میں (پسگہ (چشمہ گاہ) کا ذکر موجود ہے جہاں بہت سے چشمے تھے۔ کشمیر میں بھی (پسگہ، پشناگ) کا قصبہ اہم شریف سے شمال مشرق کی طرف تقریباً ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اہام شریف نلہ ٹوپ یا نبو کے پہاڑ کے دامن میں ایک چھوٹی سی جگہ ہے۔ سُننے میں آتا ہے اس جگہ کے چشموں کے پانی میں صحت بخش اثرات موجود ہیں۔ کوہ نبوا سے شمال مشرق کی طرف تقریباً چار میل کے فاصلے پر موود کے میدان ہیں۔ موآب کے میدان بھی اس سے ملتا جلتا نام ہے۔

نبوا اور عباریم کے پہاڑوں کا ذکر استثنار ۳۲: ۴۹ میں ہے ان کے متعلق اکثر کا خیال ہے کہ یہ ایک ہی پہاڑ کے دو نام ہیں، لیکن ڈمیلو کی بائیبل کی تفسیر ص۱۱۵ کی روشنی میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نبو دراصل کوہ عباریم کی ایک چوٹی کا نام ہے۔ کشمیر میں بانڈی پور سے شمال مشرق کی طرف تقریباً آٹھ میل کے فاصلے پر نلہ ٹوپ (بال نیبو) کا پہاڑ موجود ہے۔ نیوآل اپنی کتاب "دی ہائی لینڈز آف انڈیا" کی جلد دوم میں اس کو نابو پہاڑ لکھتا ہے۔ اس کے قریب ہی کوہ اہلو واقع ہے جس کے اوپر سے بالکل کوہِ نلہ ٹوپ کی طرح کشمیر کی وادی کا مسحور کن نظارہ نظر آتا ہے۔

ابھی جن تفصیلات کا ذکر گذرا ہے کافی اہم ہیں کیونکہ کوہِ عباریم یا کوہِ نبو سے ہی حضرت موسیٰ موعودہ سرزمین کا نظارہ کر پائے ہوں گے۔ "وہ سرزمین جس میں دُودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں۔ پہاڑوں اور وادیوں کی سرزمین۔ جس کو جنت کی بارش سیراب کرتی ہے۔"

(استثنا ۱۱: ۹، ۱۱) فلسطین میں بھی ایک کوہ عباریم ہے لیکن اس پر سے تو کوئی ایسا سرسبز اور زرخیز زمین کا نظارہ دیکھنے میں نہیں آتا جیسا کہ کوہ ابلو سے نظر آتا ہے۔

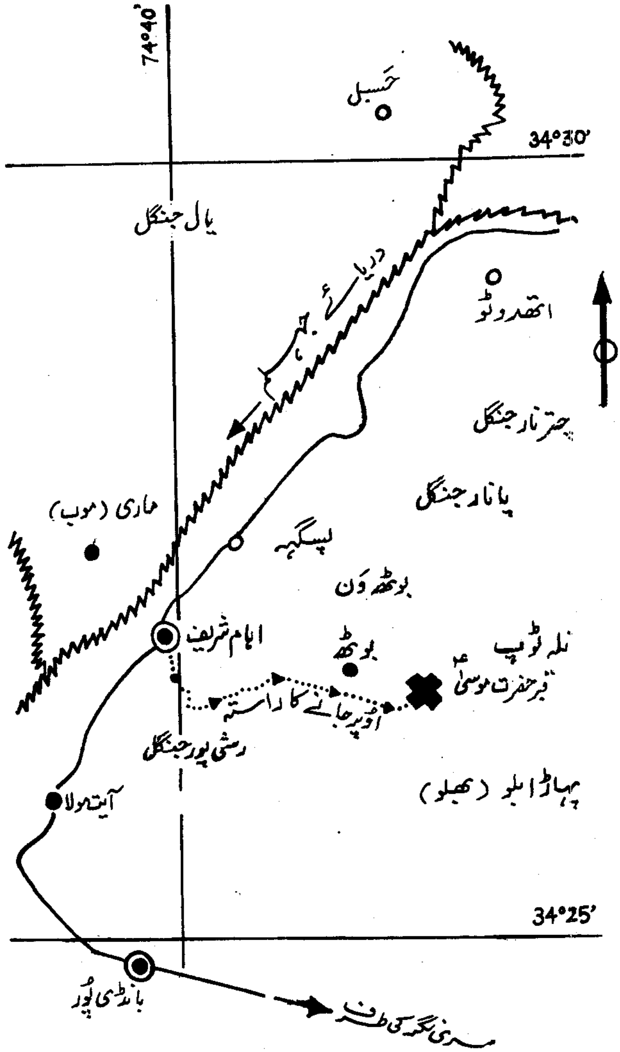
مسٹری آف کشمیر کے مصنف محمد لیٰسین نے اپنی کتاب میں "کشمیر موعودہ سرزمین" کی ضمنی سُرخی قائم کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ فلسطین سے مشرق کی طرف ایسا کوئی قطعہ زمین نہیں جس میں کثرت سے چشمے اور دریا ہوں، پھلوں اور پھولوں کی اتنی بہتات ہو یا ایسی حسین اور سرسبز وادیاں ہوں جیسی کہ کشمیر میں پائی جاتی ہیں اور اس کو بجا طور پر جنت الدنیا اور باغ جنت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کا مقبرہ

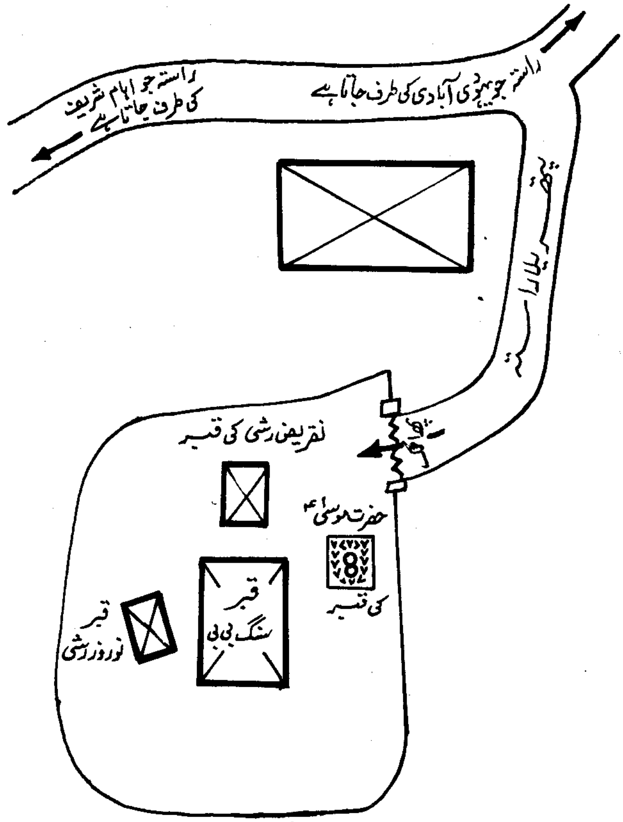
کشمیری روایات سے خواہ وہ تحریری ہوں یا زبانی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ موسےٰؑ کشمیر میں آئے اور وفات کے بعد وہیں دفن کیے گئے۔ اس سلسلہ میں کتاب "حشمت کشمیر" کے مصنف عبدالقادر ص ۶ پر لکھتے ہیں: "حضرت موسیٰؑ کشمیر آئے اور لوگ ان کے واعظوں کو سنتے تھے۔ کچھ ان پر ایمان لے آتے، لیکن دوسروں نے ایسا نہ کیا۔ وہ فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے۔ کشمیر کے لوگ اس کے مقبرہ کو "اہل کتاب نبی کی مقدس جگہ" کہتے ہیں۔

مذکورہ قبر کوہ نلہ ٹوپ کی چوٹی پر واقع ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ گزشتہ ۲۵۰۰ سال سے اس کی عزت و تکریم کی جاتی ہے۔ یہاں سے وہ تمام جگہیں دیکھی جاسکتی ہیں جن کا ذکر گزشتہ باب میں گزر چکا ہے۔ اس کے قرب و جوار میں ایسے مقامات بھی ہیں، جو مقام موسیٰؑ کے نام سے مشہور ہیں۔

احادیث میں ہے کہ محمد صلعم نے جب محسوس کیا کہ ان کی وفات کا وقت قریب ہے تو آپؐ نے دُعا کی کہ انہیں مقدس سرزمین کا نظارہ دکھایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی دعا قبول فرمائی۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ محمد صلعم نے فرمایا "حضرت موسیٰ وہاں فوت ہوئے اگر میں وہاں ہوتا، تو میں ہاتھ کے اشارہ سے بتا سکتا تھا کہ ان کی قبر اونچی پہاڑی کے قریب راستے میں ہے (صحیح بخاری جلد دوم) کوہ نلہ ٹوپ پر جو قبر حضرت موسیٰ کے نام سے منسوب ہے سرینگر سے تقریباً اڑتیس میل شمال مغرب کی طرف واقع ہے۔ اس کے محل وقوع کی تفصیلات قریباً وہی ہیں، جن کا ذکر مذکورہ حدیث میں ہے۔



نقشہ جس میں حضرت موسیٰؑ کی قبر اور ارد گرد کے علاقے دکھاتے گئے ہیں



اس احاطہ کا نقشہ جس میں حضرت موسیٰ کی قبر واقع ہے۔

اس مقام تک پہنچنے کے لیے اہام شریف سے تقریباً دو گھنٹے لگتے ہیں۔ یہ راستہ کافی دشوار گذار ہے کیونکہ چڑھائی شروع ہونے سے پہلے زمین بہت ٹوٹی پھوٹی ہے اور چوٹی کے قریب راستہ پھسلنے والا ہے۔ راستے پر رہنما کھمبے بھی نہیں ہیں، اس لیے چلتے ہوئے بڑی احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے، ورنہ راستہ بھولنے کے زیادہ امکانات ہیں۔

پہاڑ کی چوٹی پر مزار کے نزدیک یہودیوں کی ایک چھوٹی سی بستی آباد ہے۔ یہاں کے رہنے والے اس علاقہ کے باقی لوگوں سے بالکل کٹے ہوئے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے موروثی رہنما حضرت موسیٰ کی قبر کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ ولی رشی مزار کے موجودہ نگران ہیں۔

بڑے راستے سے ذرا ہٹ کر گاؤں کے قریب ایک احاطہ ہے جس کے درمیان حضرت موسیٰؑ کی قبر ہے۔ اس جگہ کے گرد ایک چھوٹی سی دیوار ہے اور اندر جانے کے لیے لکڑی کا ایک چھوٹا سا دروازہ لگا ہوا ہے۔ اس دروازہ پر ان تمام نگرانوں کے نام کندہ ہیں جو اب تک اس قبر کی نگرانی کرتے رہے ہیں۔ ولی رشی کا کہنا ہے کہ گزشتہ نو سو سال سے اُسی کے خاندان کے لوگ اس قبر کی نگرانی کر رہے ہیں۔ اس گاؤں میں پنتالیس خاندان آباد ہیں لیکن ان لوگوں کے اہام شریف کے لوگوں سے اچھے تعلقات نہیں ہیں۔ اس لیے کہ اس گاؤں کے لوگ نہیں چاہتے کہ اس قبر کے موجود ہونے کی خبر باہر پھیلے اور اس طرح اس علاقہ کا امن و سکون برباد ہو جائے۔

چار سو سال پیشتر کشمیر کے حضرت مخدوم شیخ حمزہ نے چالیس دن تک اس مزار پر عبادت کی اور وہاں دو درخت قبر کے دونوں طرف لگائے۔ یہ دونوں درخت اب بہت بڑے ہو گئے ہیں اور ان کی وجہ سے مقبرہ کی جگہ نمایاں ہو گئی ہے۔ قبر کا رخ یہودی دستور کے مطابق شرقاً غرباً ہے، لیکن اسی احاطہ میں تین اور بھی قبریں موجود ہیں جو مسلمانوں کی طرز پر شمالاً جنوباً ہیں۔ ان میں سے ایک سنگ بی بی کی قبر ہے جو شیخ نورالدین رشی درویش کی مُرید تھیں جو یوسامرگ کو جانے والے راستے کی بائیں جانب دفن ہیں۔ دوسری دو قبریں تقریز رشی اور نوروز رشی کی ہیں جو سنگ بی بی کے مُرید تھے۔

کشمیر کے ادبی مجموعوں میں حضرت موسیٰ کی کشمیر میں موجودگی سے متعلق جگہ جگہ ذکر موجود ہے خواجہ محمد اعظم اپنی کتاب "تاریخِ اعظمی" میں لکھتے ہیں: "سنگ بی بی بھی ایک مشہور گوشہ نشین خاتون تھیں جو اپنے گیان دھیان اور عبادت گذاری میں مردوں سے سبقت لے گئی تھیں۔ ان کی قبر کے نزدیک ایک جگہ ہے جو حضرت موسیٰ کی قبر کے نام سے مشہور ہے جو خدا کے ایک

برگزیدہ نبی تھے۔ جو لوگ اس جگہ کے واقف ہیں ان کا یقین ہے کہ یہ بہت سی برکتوں والی جگہ ہے۔

پنڈت ہرگوپال اپنی کتاب "گلدستہ کشمیر" میں یوں رقمطراز ہیں:

"مسلمان اس جگہ کشمیر کو زمین پر جنّت کا نقشِ ثانی اور حضرت سلیمان کا باغ کہتے ہیں۔ اس سرزمین پر بہت سے مقدس مقامات واقع ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان یہاں آئے۔ حضرت موسیٰ بھی یہاں آئے اور یہیں وفات پائی۔ اسی قسم کے حوالے وجیز التواریخ از خانیاری جلد اوّل ص۲۸ اور تاریخ حسن از پیرزادہ غلام حسن جلد اول میں بھی موجود ہیں۔ اس کے علاوہ کئی یورپی سیّاحوں اور مصنفین نے بھی ایسی روایات کا ذکر کیا ہے جن سے حضرت مسیحؑ کے کشمیر سے تعلق کا پتا چلتا ہے۔ ان میں سے زیادہ مشہور ٹریولز ان انڈیا ص۱۷۴ از فرانسس برنیر اور دی لوسٹ ٹرائبز ص۱۳۷ از جارج مور ہیں۔

کشمیر میں وہ مقامات جن کے نام حضرت موسیٰ کے نام پر ہیں

کشمیر میں موسیٰ اکثر مردوں کا نام ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی ایسی جگہیں ہیں جن کے نام میں موسیٰ شامل ہے۔

اوانتی پور میں ایک جگہ گند خلیل یا گنڈ موسیٰ کے نام سے ہے۔ اسی طرح "سر اورل سٹائن" شادی پور اور رام پور کے قریب ایک جگہ کہنہ موسیٰ کا ذکر کرتا ہے (ملاحظہ ہو راج ترنگنی جلد اوّل ص۔ اور دی اینشینٹ جیوگرافی آف کشمیر ص۱۶۶) خواجہ نذیر احمد کی تحقیق کی رو سے کشمیر میں کم از کم چار ایسی جگہیں ہیں جن کے نام مقامِ موسیٰ ہیں جس کا مطلب ہے کہ حضرت موسیٰ نے ان جگہوں پر قیام کیا یا آرام کیا۔ ایک تحصیل ہِدوارہ میں اٹھہ وتو کے قریب ہے جو آیت موسیٰ یعنی "خدا کا نشان" کے نام سے مشہور ہے۔ دوسرا ایسگہ اور تیسرا بانڈی پور کے قریب ہے اور چوتھا دریائے جہلم اور سندھ کے سنگم پر شادی پور کے قریب ہے۔ یہ جگہ کہنہ موسیٰ کے نام سے بھی مشہور ہے جس کا ذکر "سر اورل سٹائن" نے بھی کیا ہے اور اسی جگہ موسیٰ کی چٹان بھی محفوظ ہے۔ اس چٹان کو سنگ موسیٰ سے خلط ملط نہ کیا جائے جس کا ذکر ہم آئندہ باب میں کریں گے۔

سنگ موسیٰ

بیجبارہ کے لوگ جو سرینگر سے تقریباً ستائیس میل کے فاصلے پر ہیں مدّت مدید سے معروف

سنگ موسیٰ کے نگران چلے آرہے ہیں جو کاکاپل کے نام سے مشہور ہے۔ اس پتھر کا وزن تقریباً ۱۰۸ پاؤنڈ ہے۔ روایات کے مطابق اگر گیارہ آدمی اپنی ایک ایک انگلی پتھر کے نچلے کنارہ کو لگائیں۔ اور اکٹھے مل کر کاکا کاکا کا کہیں تو پتھر اوپر اُٹھ جاتا ہے، لیکن اگر اس تعداد سے کم یا زیادہ لوگ اپنی انگلیاں لگائیں تو ایسا نہ ہوگا۔ گیارہ کا عدد روایات کی رو سے ان گیارہ قبیلوں کی نمائندگی کرتا ہے جنکو اسرائیل میں مخصوص زمین کے ٹکڑے دئے گئے تھے اور جن پر کاشت اور وراثت کے حقوق اس خاص قبیلہ کو حاصل تھے۔

منسی اور افرائم کے قبیلے جو حضرت یوسفؑ کی نسل سے تھے ان کو تو ایسے حقوق حاصل تھے با سوائے لاوی اور شمعون کے گویا کل تیرہ قبیلے تھے ان میں سے گیارہ کو مخصوص علاقے ملے ہوئے تھے لاوی کا قبیلہ جو کہ عیسائی علماء اور واعظوں پر مشتمل تھا اس کو قبیلوں کی گنتی میں شمار نہیں کیا جاتا۔

فارسی زبان کی مشہور تاریخی کتاب روضۃ الصفا حصہ اوّل جلد دوم میں سنگ موسیٰ کی اصلیت سے متعلق حسب ذیل تفصیل درج ہے:

"کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ اتنے حیادار اور شرمیلے تھے کہ انہیں ننگے جسم کسی نے کبھی نہ دیکھا تھا، جبکہ بنی اسرائیل میں ننگا ہونا معیوب نہ سمجھا جاتا تھا اور لوگ دوسروں کے سامنے ننگا ہونے سے بالکل نہ شرماتے تھے۔ لیکن حضرت موسیٰ اس طریق کو بالکل پسند نہ کرتے تھے؛ چنانچہ ان کی قوم کے شرارت پسند لوگوں نے یہ مشہور کر دیا کہ انہیں ایک بُری بیماری ہے۔ یہ افواہ اتنی زیادہ پھیل گئی کہ خدا کو حضرت موسیٰؑ کی بریت ثابت کرنے کے لیے ایک پتھر کو حکم دینا پڑا کہ وہ ان کپڑوں کو جو حضرت موسیٰ اس پر رکھ کر نہانے چلے گئے تھے لے کر دُور چلا جائے۔ جب حضرت موسیٰ نے پتھر کو کپڑوں سمیت چلتے ہوئے دیکھا، تو وہ پانی سے ننگے ہی نکل کر پتھر کے پیچھے بھاگے۔ انہیں کپڑوں کی اتنی فکر لاحق ہوئی کہ یہ ہوش بھی نہ رہا کہ لوگ انہیں برہنہ حالت میں دیکھ رہے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ ان کے پاس سے گذر گئے جن لوگوں نے ان کو اپنے پاس سے گزرتے ہوئے دیکھا انہیں تو (ان کے جسم پر) ایسی کوئی برائی نظر نہ آئی (جس کی افواہ گرم تھی) بلکہ ان کا جسم صاف شفاف اونچا لمبا اور جاذب نظر تھا۔ لوگ اس کے بعد افواہوں کے بارے میں محتاط ہو گئے اور انہیں یہ بات تسلیم کرنی پڑی کہ حضرت موسیٰ ایک پاک اور مطہّر جسم و روح کے مالک ہیں اس واقعہ کے بعد خدا نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ وہ اس پتھر کو محفوظ کر لیں۔ اس کی ان کو بعد میں ضرورت پڑے گی۔ کہا جاتا ہے کہ اس پتھر کے چار رُخ ہیں اور جب اس پر ڈنڈا مارا جاتا

تو اس سے پانی کے چار چشمے جاری ہو جاتے۔ پہلے پانی قطرہ قطرہ ہو کر نکلتا اور پھر آہستہ آہستہ پانی کا بہاؤ بڑھنے لگتا اور پھر اتنا زیادہ ہو جاتا کہ اس کے ذریعے سے اسرائیل کے تمام قبائل کو پانی مہیا ہو جاتا۔ اس سے ذہن فوراً بائیبل میں گنتی ۲۰ : ۲-۱۳ کی طرف چلا جاتا ہے۔ جس کی آیات ۲-۶ میں اسرائیلی پانی نہ ہونے کی شکایت کرتے ہیں اور پھر حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ خدا کے سامنے اس سلسلہ میں درخواست کرتے ہیں۔ آیات ۷ تا ۱۳ میں اس کا ذکر یوں درج ہے۔

"تب خداوند کا جلال ان پر ظاہر ہوا۔ اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ اس لاٹھی کو لے اور تو اور تیرا بھائی ہارون تم دونوں جماعت کو اکٹھا کرو اور ان کی آنکھوں کے سامنے اس چٹان سے کہو کہ وہ اپنا پانی دے اور تو ان کے لیے چٹان سے ہی پانی نکالنا یوں جماعت کو اور ان کے چوپایوں کو پلانا؛ چنانچہ موسیٰ نے خداوند کے حضور سے اسی کے حکم کے مطابق وہ لاٹھی لی اور موسٰے اور ہارون نے جماعت کو اس چٹان کے سامنے اکٹھا کیا اور اس نے ان سے کہا۔ سنو اے باغیو! کیا ہم تمہارے لیے اسی چٹان سے پانی نکالیں؟ تب موسیٰ نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور اس چٹان پر دو بار لاٹھی ماری اور کثرت سے پانی بہ نکلا اور جماعت نے اور چوپاؤں نے پیا۔ پر موسیٰ اور ہارون سے خداوند نے کہا چونکہ تم نے میرا یقین نہیں کیا کہ بنی اسرائیل کے سامنے میری تقدیس کرتے اس لیے تم اس جماعت کو اس ملک میں جو میں نے ان کو دیا ہے نہیں پہنچانے پاؤ گے۔ مریبہ کا چشمہ یہی ہے، کیونکہ بنی اسرائیل نے خداوند سے جھگڑا کیا اور وہ ان کے درمیان قدوس ثابت ہوا۔"

اس میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جو روضۃ الصفاء میں مندرج تفصیلات سے ملتی جلتی ہیں۔ مذکورہ پتھر بیجا باڑہ کے مقام پر تیزی سے بہتے ہوئے پانی سے تقریباً ۱۵ گز کے فاصلہ پر ہے۔ تاریخی روایات کے مطابق یہ وہی جگہ معلوم ہوتی ہے جہاں حضرت موسیٰؑ نہا رہے تھے۔ پتھر کے قریب ہی ہندوؤں کی ایک مقدس جگہ ہے جس کے درمیانی کمرہ میں ایک نہایت قیمتی مندر محفوظ ہے۔ اس میں گیارہ لنگ ہیں (لنگ ہندو دیوتا شیو جی کا ایک نشان ہے) جو انسانی تناسل کو ظاہر کرتے ہوئے ہیں۔ گیارہ لنگ ان گیارہ انگلیوں کے مترادف ہیں جنکو پتھر کے معجزانہ طور پر اوپر اٹھانے کے لیے ضرورت پیش آتی ہے اور اس میں کسی حد تک افزائش نسل

انسانی کی طرف اشارہ بھی موجود ہے۔

آخر میں اس بات کا درج کرنا نہایت دل چسپ ہوگا کہ لداخ میں حضرت موسیٰ کو جس نام سے یاد کیا جاتا ہے یا اس علاقہ کے کسان اپنے بزرگوں اور خدا رسیدہ لوگوں کو جس القاب سے خطاب کرتے ہیں وہ کا کا ہے اور یہ وہ الفاظ ہیں جنکو اکٹھے مل کر کہنے سے مذکورہ پتھر اٹھ جاتا ہے۔

عصائے موسیٰ جو عصائے عیسیٰ کے نام سے بھی مشہور ہے۔

عیش مقام (جہاں حضرت مسیحؑ نے آرام کیا) جس کا ذکر حضرت مسیحؑ کے سفر کشمیر کے راستہ کے سلسلہ میں ہو چکا ہے۔ اس جگہ گہرے بھورے رنگ کا ایک عصاء محفوظ ہے جو زیتون کی لکڑی سے بنا ہوا ہے۔ یہ عصا آٹھ فٹ لمبا ہے اور مختلف جگہوں پر اس کی گولائی کا قطر ۱ ۱/۲ انچ سے لے کر ۱/۲ ۳" تک ہے۔ یہ عصائے موسیٰ اور عصائے عیسیٰ دونوں ناموں سے مشہور ہے۔ اس کے محافظوں کا کہنا ہے کہ درحقیقت یہ حضرت موسیٰ کا ہی عصا ہے اور اسی کے ذریعہ وہ سنگ موسیٰ سے پانی نکالنے کا کام لیتے تھے جس کا ذکر ہم گزشتہ باب میں کر چکے ہیں۔

اس عصاء کو بحفاظت تالے میں رکھا جاتا ہے اور اسے صرف خشک سالی، طاعون اور اسی قسم کی دوسری بڑی قدرتی آفات کے موقع پر نکالا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ خشک سالی کے دنوں میں اس کو نکالنے سے بارش ہو جاتی ہے اور دوسری آفات کو رد کرنے میں بھی مؤثر ثابت ہوتا ہے۔ اسی بنا پر اس عصا کو بُلاگیر یعنی مصائب کو روکنے والا یا ان پر حملہ کرنیوالا بھی کہا گیا ہے۔ کشمیری روایتوں کے مطابق یہ عصا مختلف ہاتھوں سے ہوتا ہوا حضرت زین العابدین ولی کے مزار واقع عیش مقام کے نگران کے قبضہ میں آیا ہے۔

٭ ٭ ٭

باب ۶

حضرت مسیحؑ اور مہاتما بدھ میں مماثلت

اس کتاب میں ہم نے یہ مفروضہ قائم کیا ہے کہ مسیحؑ نے دو بار ہندوستان کا سفر اختیار کیا پہلا سفر جوانی کے زمانہ میں کیا۔ اس کو ان کی طالب علمی کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ دوسرا طویل سفر وہ ہے جس میں وہ فلسطین سے جان بچا کر اسرائیل کے گمشدہ قبائل کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ یہ صلیب کے بعد کے واقعات ہیں جن کے متعلق ہم پہلے بحث کر چکے ہیں کہ وہ اس موت سے بچ نکلے تھے۔ اس سلسلہ میں یہ نہایت اہم ہے کہ حضرت مسیحؑ اور مہاتما بدھ اور ان کی تعلیمات میں متعدد مماثل کا جائزہ بھی لیا جائے۔

۱۸۹۷ء میں جرمنی میں ایک کتاب "چار انجیلوں کا تقابلی مطالعہ" مصنفہ ایس ای ورس شائع ہوئی۔ اس کتاب میں مصنف اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ بائیبل میں مسیحؑ کے حالات زندگی میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جو مہاتما بدھ کی زندگی کی تفصیلات سے ملتی جلتی ہیں۔ مہاتما بدھ کے متعلق روایات میں درج ہے کہ وہ خدائے مجسم تھے۔ ان کا حمل میں لیا جانا اور ان کی تعجب خیز اور مافوق الفطرت طریق پر پیدائش کے متعلق پہلے سے خبر دی گئی تھی اور یہ کہ پیدائش کے بعد دیوتاؤں اور بادشاہوں نے نومولود کو سجدہ کیا اور تحفے پیش کیے نیز ایک بوڑھے برہمن نے اس نومولود کو فوراً پہچان لیا کہ یہ وہی بچہ ہے جو آئندہ چل کر تمام برائیوں سے نجات دلانے والا ثابت ہوگا۔ اور جس کے ذریعہ سے دنیا میں امن اور شادمانی کا دور دورہ ہو گا۔ جوانی میں اس پر سخت مظالم ڈھائے گئے اور پھر معجزانہ طریق پر ان مظالم سے اس کو بچا لیا گیا اور پھر وہ مندر میں نہایت وقار اور تقدس کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے اور یہ کہ جب ان کی عمر بارہ سال کی تھی تو ایک بار جب ان کے والدین ان کی تلاش میں سرگرداں

تھے تو پھر ان کو مذہبی عالموں کے درمیان پایا۔ وہ غیر معمولی ذہین تھے اور فہم و فراست میں اپنے اساتذہ سے بھی سبقت لیے ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی روزے رکھے اور شیطان نے ان کو پھسلانے کی کوشش کی۔ انہوں نے متبرک دریا میں نہا کر اپنے آپ کو پاک کیا اور ایک بزرگ برہمن کے کئی شاگرد اُن کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ جب انہوں نے ان سے کہا کہ میرے پیچھے چلو۔ ان کے ماننے والوں میں سے تین تو مثالی کردار کے حامل تھے، لیکن ایک بدعمل نکلا اور یہ کہ ان کے شاگردوں کے اصلی نام بعد میں تبدیل کر دیے گئے اور ان کو ضروری تربیت و ہدایات دینے کے بعد (مہاتما بدھ) نے شاگردوں سے کہا کہ وہ دو دو ہو کر دنیا میں تبلیغ کے لیے نکل پڑیں۔

اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مہاتما بُدھ دنیا کے لیے خوشخبری لیے ہوئے تھے اور یہ کہ ان کی تعلیمات مسیح کی تعلیمات سے غیر معمولی طور پر ملتی جلتی ہیں۔ مہاتما بُدھ تمثیلی رنگ میں گفتگو کرنا پسند کرتے تھے۔ انہوں نے معجزات برپا کیے، دنیاوی دولت سے اعراض کیا۔ اور انکساری دامن، دشمنوں کو معاف کرنا، تجرد کی زندگی اور تارک الدّنیا ہونے کا پرچار کیا۔ مفلسی اور غریب الوطنی میں بھی وہ ایک روحانی معالج اور (گناہ) سے رہائی دلانے والے نجات دہندہ کی حیثیت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ مارے مارے پھرتے رہے۔ دشمنوں نے ان کو اس بات پر سخت ملامت کی کہ وہ گنہگاروں کی مجلس میں اُٹھتے بیٹھتے تھے۔ جب انہوں نے محسوس کیا کہ ان کی موت قریب ہے تو انہوں نے کہا کہ وہ اپنے گھر آسمان کی طرف جا رہے ہیں۔ انہوں نے الوداعی خطبات میں اپنے شاگردوں کو نصیحت کی کہ وہ دنیا پر آنے والی تباہیوں سے لوگوں کو آگاہ کریں۔ ان کی موت بھی معجزنما تھی۔ زمین پر زلزلے آئے، سُورج دُھندلا گیا، شہاب ثاقب آسمان سے گرے۔ مہاتما بُدھ کی زندگی سے متعلق یہ تمام تفصیلات بڑی حد تک مسیح کی زندگی کے حالات سے ملتی ہیں۔

۱۸۹۸ء میں حضرت مرزا غلام احمد کی اس موضوع پر غیر معمولی تصنیف "مسیح ہندوستان میں" شائع ہوئی۔ اس میں مہاتما بُدھ اور مسیح میں مماثلت کے بارہ میں بڑی تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ دونوں کی زندگیوں کے مطالعہ سے بہت سی مماثلتوں کا پتہ چلتا ہے۔ کتاب مذکورہ میں مصنف نے مہاتما بدھ اور مسیح کو دیے گئے ناموں میں مماثلت کی طرف بھی توجہ دلائی ہے (مہاتما بدھ کا اصل نام سدھارتھ گوتم تھا) بُدھ کا مطلب ہدایت یافتہ

یا جس کو خدا کی معرفت حاصل ہو ہے اور اسی طرح مسیحؑ اپنے آپ کو "دنیا کا نور" (یوحنا ۸ : ۱۲) کہتے ہیں۔ اور مسیحؑ کے حواریوں نے انہیں آقا کہہ کر پکارا۔ مہاتما بدھ کو بھی ساستا کہا گیا جس کا مطلب بھی وہی ہے۔ دونوں کو بادشاہ اور شہزادہ کہا گیا۔ مسیحؑ کو تھکے درماندوں کی پناہ گاہ کہا گیا اور مہاتما بدھ کو ان لوگوں کے لیے جن کے پاس سر چھپانے کی جگہ نہ تھی "پناہ گاہ" کہا گیا (آسرن سرن) اسی قسم کی مزید ملتی جلتی علامات ملتی ہیں۔

ریاس ڈیوڈز اپنی کتاب "بدھ ازم" میں لکھتا ہے کہ مہاتما بدھ کی ماں نے جب آنکو جنم دیا تو وہ کنواری تھیں اور عورتوں میں وہ سب سے معزز اور پاکباز مانی جاتی تھیں۔ بائبل میں ہم کو مسیحؑ کی والدہ کے بارہ میں بھی بالکل یہی کچھ بتایا گیا ہے۔

حضرت مرزا غلام احمد کا کہنا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا بدھ لوگوں نے اپنی کتابوں میں چاروں انجیلوں کے مندرجات کو من وعن درج کر لیا ہے۔ جو کچھ مہاتما بدھ اور مسیح کی زندگیوں کے بارہ میں تفصیلات ہم تک پہنچتی ہیں ان سے صاف ظاہر ہے کہ کئی پہلوؤں سے دونوں میں مماثلت پائی جاتی ہے، لیکن اس سے ہم کیا نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں؟ قدرتی طور پر اس بارہ میں اختلاف موجود ہے۔ کچھ لوگ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مسیحؑ بدھ مت سے بہت زیادہ متاثر نظر آتے ہیں (جو عین ممکن ہے ان کے پہلے سفر ہندوستان کے دوران ہوا) دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ بدھ مت نے مسیحؑ کی تعلیمات کا کافی اثر قبول کیا ہے۔

دوسرے طبقہ خیال کے لوگوں میں حضرت مرزا غلام احمد ہیں۔ وہ اور ان کے ہم خیال لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ جب مسیحؑ ہندوستان تشریف لائے، ہو سکتا ہے یہ وہ وقت ہو جب بدھ مت کے علما مسیحؑ کی طرح بدھ کی آمد ثانی کے منتظر ہوں یہ مسیحؑ کے القابات اور تعلیمات مہاتما بدھ سے ملتے تھے۔ ان کا رنگ بھی سفید تھا جیسا کہ گوتم بدھ نے اپنے آنے والے جانشین کی نشانی بتلائی تھی۔ یا کیا یہ القابات اور پیشگوئیاں بعد میں اختراع ہوئیں۔ مہاتما بدھ کی زندگی کے حالات مسیحؑ کی ہندوستان میں آمد تک نہ لکھے گئے تھے اس لیے نظریاتی طور پر ممکن ہے کہ مذہبی رہنماؤں نے مہاتما بدھ سے وہ سب کچھ منسوب کر دیا ہو جس کی انہوں نے ضرورت محسوس کی ہو۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بدھ مت کی بہت سی اخلاقی تعلیمات اس سے قبل کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں، لیکن وہ لوگ جو اس خیال کے حامی ہیں کہ بدھ مت پر عیسائیت کا اثر ہے' ان کا کہنا ہے کہ مہاتما بدھ

کی زندگی اور تعلیمات کے وہ پہلو جن میں مسیحؑ کی زندگی اور تعلیمات کا پرتو نظر آتا ہے اور جن کا ذکر بائیبل میں بھی ہے۔ یہ اثرات مسیح کے قیام ہندوستان کے دوران مرتب ہوئے۔

انہی لوگوں کا کہنا ہے مہاتما بدھ کی زندگی میں یہ تمام اثرات کافی حد تک نمایاں ہیں، مثلاً بدھ کا سفر بنارس اور وہاں مسیح کی طرح معجزے دکھانا، پہاڑی پر وعظ کرنا، روحانی موضوعات کو روزمرہ کی زبان میں بیان کرنا، حتّٰی کہ حضرت موسیٰ کے دس احکامات کی طرز پر احکام عشرہ جاری کرنا۔ (ملاحظہ ہو بدھ ازم از سر مونیر ولیمز صفحہ ۱۲۶)

۱۔ چاہیے کہ تم کسی زندہ جانور کو نہ مارو
۲۔ چاہیے کہ تم چوری نہ کرو
۳۔ چاہیے کہ تم زنا نہ کرو
۴۔ چاہیے کہ تم جھوٹ نہ بولو
۵۔ چاہیے کہ تم تیز شراب نہ پیو
۶۔ چاہیے کہ تم مقررہ اوقات پر کھانا کھاؤ
۷۔ چاہیے کہ تم ہار اور زیورات نہ پہنو اور خوشبو نہ لگاؤ
۸۔ چاہیے کہ تم اونچے اور زیادہ آرام دہ پلنگوں پر نہ سوؤ، بلکہ فرش پر چٹائی پر سوؤ
۹۔ چاہیے کہ تم ناچ، گانا، میوزک اور دیگر دنیاوی رنگین محفلوں سے پرہیز کرو۔
۱۰۔ چاہیے کہ تم سونا اور چاندی کسی صورت میں استعمال نہ کرو اور نہ ہی اسے قبول کرو۔

بدھ کتب میں لکھا ہے کہ گوتم بدھ نے پیشگوئی کی تھی کہ میرا جانشین میتریا ہوگا۔ میتریا سے متعلق بہت سی پیشگوئیاں ہیں جو اس کی آمد کو مستقبل بعید سے وابستہ کرتی ہیں (یہ نام مترا کے لفظ سے مشتق ہے، جس کا مطلب دوست ہے) لیکن یہ اشارات موجود ہیں کہ اس کی متوقع آمد گوتم بدھ کی وفات کے پانچسو سال بعد تھی۔ اسی کے پیش نظر ہم اس زمانہ میں آ جاتے ہیں جس کے متعلق ہمارا اندازہ ہے کہ یہی وہ وقت تھا جب حضرت مسیحؑ نے مشرق کی طرف دوسرا سفر اختیار کیا اور کشمیر پہنچے۔ میتریا کے متعلق پیشگوئیاں لگادتی سوتا، پٹاماٹن اور اتھا کتھا میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اس کو بھگوا میتریا اور سفید میتریا بھی کہا گیا ہے۔ اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ وہ سفید رنگ کا ہوگا جس طرح کہ مسیحؑ تھے۔ اس کے متعلق یہ بھی کہا گیا تھا کہ وہ ایک غیر ملک سے آئے گا۔

نام میترا کی علم صرف کی رو سے عبرانی کے لفظ مشیاح سے مناسبت ہو سکتی ہے (مسیحا' بپتسما شدہ) اس سلسلہ میں یہ بات نہایت دلچسپ معلوم ہوتی کہ ساتویں صدی عیسوی میں بُدھ مت کے متعلق تبتی زبان میں کتب میں می۔ شی۔ ہو کے نام کا ذکر موجود ہے۔ ظاہر ہے اس کا اشارہ مسیح کی طرف ہی ہو سکتا ہے۔ ان عبارتوں کے متعلق مزید تفصیلات آئی سنگ کی کتاب "اے ریکارڈ آف دی بُدھسٹ ریلیجن" میں ملتی ہیں۔

"سر مونیر ولیمز" اپنی کتاب "بُدھ ازم" کے ص۴۵ پر لکھتا ہے "کہ کہا جاتا ہے کہ مہاتما بُدھ کا چھٹا شاگرد ایک شخص لیاع نامی ہو گا، جو لیسوع ہی کی ایک صورت نظر آتی ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر ہرمین اولڈن برگ اپنی کتاب "بدھا" میں لکھتا ہے کہ "مہاواگہ کے پہلے باب میں یہ لکھا ہے کہ بُدھ کا جانشین ایک شخص راحولہ نامی ہو گا، جس کو اس کا شاگرد بھی کہا گیا ہے" راحولہ اور رُوح اللہ ایک ہی مادہ سے مشتق لگتے ہیں جو کہ عبرانی میں مسیح کے القابوں میں سے ایک ہے۔

باب ۷

تحریکِ احمدیّت

حضرت مرزا غلام احمدؒ صاحب نے احمدیہ تحریک کی ابتداء ۱۸۸۸ئ میں قادیان سے کی لیکن "احمدیہ" نام دس بارہ سال کے بعد اس وقت اختیار کیا گیا جب بانیٔ تحریک نے ۴ نومبر ۱۹۰۰ئ کو ایک اعلان کے ذریعہ سے وضاحت فرمائی کہ یہ نام نبی اکرم محمد صلعم کے دوسرے نام احمدؐ کے تعلق سے رکھا گیا ہے۔ "محمدؐ" جس کے معنی ہیں "بے حد تعریف کیا گیا"۔ یہ نام نبی اکرم صلعم کے جلالی دور کا مظہر ہے جو انہوں نے ہجرت کے وقت اختیار کیا تھا، لیکن احمدؐ ان کا جمالی نام ہے جو ان مواعیظِ حسنہ اور پاک تعلیمات کا آئینہ دار ہے جن کے ذریعہ سے وہؐ دنیا میں امن قائم کرنے کے لیے مامور ہوئے تھے۔ یہ دو نام اسلام کی دو حالتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ آخری دور میں اس دوسری حالت کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اسی کے پیشِ نظر ان کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کی روحانی تعلیمات کے ذریعہ سے دُنیا میں اُمن قائم کیا جائے اور انہیں یقین محکم تھا کہ یہی وہ واحد ذریعہ ہے جو انسان کا سکونِ قلب بحال کر سکتا ہے اور اس طرح اسے اس قابل بنایا جا سکتا ہے کہ وہ خدا اور اس کے بندوں کے ساتھ امن و آشتی سے گذر بسر کر سکے۔

احمدیہ تحریک کا پیغام اس کے نام سے ظاہر ہے۔ مُسلمانوں کے لیے اس کا پیغام یہ ہے کہ وہ دو عظیم رُوحانی قوتوں قرآن کریم اور نبی اکرمؐ کے ذریعہ سے دنیا کو فتح کر سکتے ہیں۔ غیر مسلموں اور خاص طور پر مغربی دنیا کے لیے جو تہذیب کی ترقی کے ساتھ مادّیت کے (گڑھے) میں گر چکی ہے، اس کا پیغام یہ ہے کہ اب صرف اسلام کی روحانی قوت کے ذریعہ سے ہی انسان امن و سکون سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔

اس تحریک نے ابتدا سے ہی اپنی تمام تر توجہ قرآن کریم اور محمد صلعم کی اعلیٰ تعلیمات اور اسلام کو مغرب میں پھیلانے پر مرکوز کر رکھی ہے۔ حضرت مرزا غلام احمد نے اپنی کتاب "ازالہ اوہام" میں اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ قرآن کریم کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا جائے۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے اس مقصد کے حصول میں مدد مل سکے۔ ان کو یقین تھا کہ قرآن اس دنیا میں ایک بڑی روحانی قوت ہے اور اس کے ذریعہ سے نہ صرف مسلمانوں میں ایک بیداری پیدا کی جا سکتی ہے، بلکہ مغربی دنیا کے مادی رجحانات میں تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔ ان کا دعویٰ صرف امام ہونے کا تھا اور ان کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ ان کے مرید دنیا کے کونے کونے میں قرآن کی صداقتوں کی اشاعت کریں، غلط فہمیوں کی اصلاح کریں اور انکو چاہیے کہ دنیا کے سامنے محمد صلعم کی صحیح تصویر پیش کریں جنھیں اکثر غلط رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔

حضرت مرزا غلام احمد مئی ۱۹۰۸ء میں وفات پا گئے اور ان کے بعد (حضرت مولانا) نورالدین سربراہ منتخب ہوئے، وہ بھی مارچ ۱۹۱۴ء میں فوت ہو گئے (حضرت مولانا) نورالدین کی رہنمائی میں یہ تحریک مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی۔ خاص طور پر مسلمانوں میں اسے بے حد مقبولیت حاصل ہوگئی، تاہم اگرچہ بظاہر اس تحریک میں اندرونی خلفشار کے کوئی آثار نظر نہ آتے تھے، لیکن درپردہ تنازع موجود تھا۔ مگر (حضرت مولانا) نورالدین کی مضبوط شخصیت کی وجہ سے وہ عناصر کھل کر سامنے آنے سے رکے رہے۔

اصل مسئلہ جس کی بنا پر اختلاف پیدا ہوا تھا یہ تھا کہ جو لوگ (حضرت) مرزا غلام احمد کو نبی نہیں مانتے انہیں کافر سمجھا جائے اور اسی اختلاف کی بنا پر (حضرت مولانا) نورالدین کی وفات کے بعد تحریک میں پھوٹ پڑ گئی۔ وہ لوگ جو اس خیال کے حامی تھے کہ تحریک کے بانی نبی نہ تھے (اور انہوں نے ایسا ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کیا) باقی تحریک سے جس کا مرکز قادیان تھا، الگ ہو گئے اور اپنا سلسلہ "احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام" کے نام سے لاہور میں قائم کر لیا۔ یہ لوگ تحریک کے اولین اصول و عقائد رکھتے ہیں اور محمد صلعم کے پیغام رشد و ہدایت اور قرآن کریم کے دیگر زبانوں میں تراجم کے ذریعہ سے دنیا میں روحانی بیداری پیدا کرنے کے لیے مصروف عمل ہیں۔

احمدیوں کو سرینگر میں حضرت عیسیٰ کے مشہور مقبرہ کی موجودگی کا علم تھا اور انہوں نے اس بارہ میں کافی تحقیق بھی کی ہے اور مغربی دنیا تک ان حقائق کو پہنچایا بھی ہے، جن سے مسیحؑ نے

کشمیر سے تعلق کا پتہ چلتا ہے؛ تاہم کشمیر میں ہمارے قیام کے آخری دنوں میں مجھے ایسی اطلاعات موصول ہوئیں (جن کی میں تصدیق نہ کر سکا) کہ احمدیوں کو اسلامی برادری سے اس بنا پر خارج کر دیا گیا ہے کہ وہ (وفات) حضرت عیسیٰؑ پر زیادہ زور دیتے ہیں۔

اگر آپ اس موضوع پر مزید معلومات حاصل کرنا چاہیں تو لاہور میں تحریک کے مرکز یا مختلف ممالک میں ان کے نمائندوں سے رجوع کر سکتے ہیں؛ ذیل میں پتہ جات درج کیے جاتے ہیں۔

Headquarters

Ahmadiyya Anjuman Isha'at-I-Islam,
Ahmadiyya Buildings,
Brandreth Road,
Lahore,
Pakistan.

Federal Republic of Germany

Die Moschee,
Briennerstrasse 7,
1 Berlin 31.

Nur Moschee,
Babenhauser Landstrasse 25,
6 Frankfurt-am-Main 70.

Fazle-Omar Moschee,
Weickstrasse 24,
2 Hamburg 54.

Fiji

G.N. Dean,
P.O. Box 597,
Suva.

Ghana

Allama S.P. Tayo,
P.O. Box 1330,
Kumasi.

Guyana

Guyana Ahmadiyya Anjuman,
P.O. Box 491,
32 James Street,
Georgetown.

India

M. Abdul Razak,
17 Maulana Azad Road,
Bombay 11 (BC).

Indonesia

Gerakan Ahmadijah Indonesia,
14 Djl Minangkabau 29,
Jakarta.

Kashmir

Abdul Aziz Shora,
Editor, "Roshni",
Srinagar.

Netherlands

Maulana G.A. Bashir,
54 Ruychrook Laan,
Den Haag.

Nigeria

Maulvi Abdur Rahman Dunmoye,
54 Aroloya Street,
P.O. Box 1664,
Lagos.

Philippines

Al-Hajj Abdul Rasheed Tajala,
Orchid Compound Sercabon,
Zamboanga.

Republic of China

Al-Hajj Ishaq Hsino Yung Tao,
3 Salaw 18,
178 Lane, Roosevelt Road,
3rd Section, Taipei,
Taiwan.

South Africa

Dawood Sydow,
49 Kweeper Laan,
Athlone, Capetown.

Siri Lanka

Dr. M.M. Zavahir,
People's Clinic,
85 Main Street,
Dehiowita.

Suriname (South America)

Al-Hajj Abdur Rahim B. Jaggoe,
P.O. Box 926,
Paramaribo.

Trinidad

Al-Hajj Aziz Ahmad,
P.O. Box 105,
San Fernando.

United Kingdom

Maulana S. Muhammad Tufail, M.A.,
3 Orchard Close, Woking, Surrey.

United States

Muhammad Abdullah,
1540 "C" Street,
Hayward,
California 94541.

امریکہ میں تحریک احمدیت لاہور کی
کتب کے مندرجہ ذیل ایجنٹ ہیں:-

M/S Books and Things,
117 Lenox Avenue,
New York NY 10026.

M/S Specialty Promotions Co. Inc.,
6841 Cregier Avenue,
Chicago,
Illinois 60649.

باب ۸

کتاب کے موضوع سے جن اصحاب کا تعلق رہا ہے

ان اصحاب کی سہولت کے لیے جو اس موضوع پر مزید تحقیق کرنا چاہیں میں ذیل میں ان دو اصحاب کے نام اور پتہ جات درج کرتا ہوں جن کا براہِ راست ان شواہد سے تعلق رہا ہے۔

Professor Fida M. Hassnain,
1 Gogji Bagh,
Srinagar,
Kashmir,
India,
(Tel. 5096).

Sahibzada Basharat Saleem,
;;Nashaiman",
7 Raj Bagh,
Srinagar,
Kashmir,
India.

پروفیسر حسنین کی خاص مہربانی اور تعاون سے میں نے ان اصحاب کی فہرست مرتب کی ہے جنھوں نے کشمیر میں حضرت مسیحؑ کی قبر اور اس سے متعلقہ امور کے بارہ میں ان سے رابطہ قائم کیا ہے۔

وہ لوگ جو خود سرینگر گئے

Erich von Daniken,
Im Schachen,
8906 Bonstetton (Zurich),
Switzerland.

Stern Magazine,
60 East 56th Street,
New York,
NY 10022, USA.

Dr. Walter Schmuckli,
8047 Zurich,
Altweg 10,
Switzerland.

Jay Ullal,
Stren-Redaktion,
2 Hamburg 36,
Warburgstrasse 50,
West Germany.

Al-Hajj M.A. Faruqui,
20-I 10th Street,
Section F 6/3,
Islamabad,
Pakistan.

Dr. F. Fernando,
Dispensary and Surgery,
Wennappuwa,
Sri Lanka.

Mary A.C. Fiske,
Editorial Department,
Walker and Co.,
720 Fifth Avenue,
New York,
NY 10019, USA.

Dr. Lambert J. Fonseca,
Muniswappa Block 2,
Lingarajapuram,
Bangalore 560005,
Karnataka State,
India.

Dr. William George, Ph.D.,
4 Lefroy Street,
Coatbridge;
Lanarkshire,
Scotland.

Dipl. Kfm. Christa Gerland,
Gerland Verlag,
6 Frankfurt-am-Main 70,
West Germany.

Maria F. Gilodi,
Schiebstattgasse 49,
8010 Graz,
Austria.

Professor Dr. O.V. Hinuber,
Seminar fur Indiologie,
Johannes Gutenbergs Universitat,
65 Mainz,
Postfach 3980,
West Germany.

Erich von Daniken and Klaus Liedtke,
mentioned above.

Dr. Ladislaw Filip, MD,
Charles University,
29001 Podebrady,
654-II Czechoslovakia.

Dr. Franz Sachse,
54 Koblenz,
Arzheim,
West Germany.

Rolf D. Schurch,
Cameron Press,
3027 Bern,
Wsionimatistrasse 20,
Switzerland.

Others

A.Z. Abdeen,
30 Mews Street,
Colombo 2,
Sri Lanka.

Marie Cooper,
P.O. Box 2193,
Redding,
California 96001,
USA.

J. Roose van Den,
Endelaan 48,
Hillegom,
Netherlands.

Hans Joachim Doring,
1 Berlin 47,
Lipschitzallee 48,
West Germany.

James W. Douglas,
Box 174,
Hedley,
British Colombia,
Canada.

P.M. Poole,
17 Carmelite Road,
Harrow Weald Middlesex,
England.

Dipl. Ing. Egon Pullamann,
Persthoferstrasse 28/14,
1180 Wien, Austria.

Charly Sadenklee,
Frundbergstrasse 62,
Munchen,
West Germany.

Rolf Schettler,
D-3415 Hattorf-am-Harz,
Heinrich Heine Strasse 1,
West Germany.

Peter Stoddard,
9 Sunset Strip,
Deanland Wood,
Golden Cross,
Hailsham, Sussex,
BN27 25J. England.

Werner Strauss,
7272 Altensteig,
Bahnhofstrasse 2,
West Germany.

Arthur Tarnowski,
16 Augustus Road,
London SW19,
England.

Emma Theiss,
4 Dusseldorf 1,
Suitbertusstrasse 48,
West Germany.

Norah Warner,
44 Dartmouth Park Hill,
London NW 5, England.

Dr. Hans Georg Weidner,
Lichthort-Verlag,
Dornham 5,
Brunnestrasse 212,
West Germany.

M.M. Ibrahim,
637 Randolph Street,
Dayton,
Ohio, USA.

Adegoroye Iranlade,
Faculty of Health Sciences,
University of Ife,
Western State,
Nigeria.

Dipl. Ing. Irmann K.,
33701 Rokycany,
214-II Czechoslovakia.

K. Kanailis,
295 Stoney Lane,
Birmingham, B12 8AP,
England.

Lothar Kompatzki,
Sender Freies Berlin,
1 Berlin 19,
West Germany.

Werner Krauss,
1 Berlin 47,
West Germany.

Bruce McLeod's Antiques,
La Seiva and Saddle Road,
Maraval,
Port of Spain,
Trinidad.

F. Matouscheck,
8049 Zurich,
Ottenberg 25,
Switzerland.

Mrs. M O'Connor
C/o 70 Cecil Park
London N8 England.

Gene M. Phillips,
Ancient Astronaut Society,
600 Talcott Road,
Park Ridge,
Illinois 60068, USA.

ان کے علاوہ ذیل کے رسالوں میں اس موضوع پر مضامین شائع ہوتے -

Bunte, West Germany.
Colombo Weekend, Sri Lanka.
Horzu, Hamburg, West Germany.
Illustrated Weekly of India.
Mundo Desconocido, Barcelona, Spain.
Panorama, Netherlands.
Stern, Hamburg, West Germany.
Sucesos, Mexico.
The Sunrise, Lahore, Pakistan.
Weekend, London, England.

باب ۹

میری چشمدید گواہی

اس کتاب کے آخر پہ میں ان اُمور کے بارے میں جن پر پہلے بحث ہو چکی ہے، اپنی رائے دینا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے ان باتوں کا ذکر کروں گا، جو کتاب کے لکھنے کا موجب بنیں۔

دُوسرے بہت سے لوگوں کی طرح جب میں نے بھی پہلی دفعہ یہ سُنا کہ مسیحؑ صلیب پر فوت نہیں ہوئے اور یہ کہ وہاں سے کسی مشرقی علاقہ کی طرف ہجرت کر گئے اور شاید وہیں دفن ہوئے تو میں نے ان باتوں کی طرف سنجیدگی سے دھیان نہ دیا، لیکن جب مجھے یہ علم ہوا کہ ہسپانیہ میں مسیحؑ کی کشمیر میں قبر کی ایک تصویر موجود ہے، تب مجھے حقیقی طور پر اس بارے میں دلچسپی پیدا ہو گئی۔

اس تصویر کی ایک کاپی حاصل کرنے کے بعد میں نے اس بارہ میں کچھ بنیادی معلومات حاصل کیں۔ ابھی میں اسی کوشش میں تھا کہ میرے ایک دوست نے جرمنی کے جریدہ "سٹرن" میں شائع شدہ ایک مضمون دکھایا جس میں یہ مفروضہ کہ حضرت مسیحؑ نے کشمیر کی طرف ہجرت کی اور آخرکار وہیں فوت ہوئے۔ اس سے متعلق مشکلات پر تفصیلی بحث تھی۔ اس مضمون کو پڑھنے کے بعد میں نے اس کے مصنف "کلاوس لڈگے" سے رسالہ "سٹرن" کے دفتر واقع نیویارک اور فوٹوگرافر جے الل کے دفتر واقع ہمبرگ (جرمنی) سے رابطہ قائم کیا۔ ان دونوں اصحاب نے کمال مہربانی سے ان تمام تفصیلات اور مواد کو جو ان کے پاس تھا، مجھے بھیج دیا۔

اسی بنا پر میں نے احمدیہ تحریک کے جرمنی میں مشن اور پھر تحریک کے پاکستان میں مرکز سے رابطہ قائم کیا پھر مجھے پروفیسر فدا حسنین کا پتہ چلا جو ایک عالم فاضل کشمیری ہیں اور اسی موضوع پر جس کے بارہ میں رسالہ 'سٹرن' میں مضمون شائع ہوا تھا تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ پھر اسی طرح مجھے صاحبزادہ بشارت سلیم کا پتہ چلا جو اپنا شجرہ نسب حضرت مسیحؑ سے ملاتے ہیں۔

جُوں جوں میری تحقیق آگے بڑھی، مجھے احساس ہوا کہ مَیں کسی ایسی منزل کی طرف رواں نہیں جس کا پہلے کسی کو علم نہ ہو، بلکہ اس کے برعکس اس موضوع پر تحریک احمدیت کے علاوہ بھی کافی کام ہو چکا ہے۔ گزشتہ صدی کے آخر میں پیرس میں ایک رُوسی سیاح نکولائی نوٹووچ کی کتاب شائع ہوئی جس کا بعد میں انگریزی زبان میں ترجمہ (دی اَن نون لائف آف جیسس کرائسٹ) یعنی حضرت مسیح کی نامعلوم زندگی" کے نام سے شائع ہوا۔ اس میں مسیح کے جوانی میں ہندوستان کا سفر اختیار کرنے کی امکانی بحث تھی۔

اسؔ ۳۹-۱۹۳۸ء میں لاہور کے انگریزی ہفتہ وار اخبار "دی سَن رائز" میں احمدیہ تحریک کے بانی حضرت مرزا غلام احمد کی کتاب "مسیح ہندوستان میں" کا انگریزی ترجمہ قسط وار شائع ہوا۔ اس کتاب میں یہ سوال اٹھایا گیا تھا کہ کیا واقعی مسیح کی موت صلیب پر واقع ہوئی تھی۔ اس کے دلائل اور مذکورہ حقائق اتنے مؤثر تھے کہ ان سے متاثر ہوکر قاہرہ کی الازہر یونیورسٹی کے ریکٹر نے یہ فتویٰ دیا کہ قرآن مجید کی رُو سے حضرت مسیح طبعی طور پر فوت ہوئے۔

حال ہی میں حضرت مسیحؑ کے کشمیر سے تعلق اور دیگر شواہد کے بارہ میں کئی مضامین اخبارات میں شائع ہوئے ہیں۔ ۱۹۷۳ء میں رسالہ "سٹرن" کے مضمون بعنوان "حضرت مسیح ہندوستان میں فوت ہوئے" کے علاوہ بھی ذیل کے مضامین شائع ہوئے ہیں: مثلاً

"السٹریٹیڈ ویکلی" ہندوستان کے شمارہ اپریل ۱۹۷۲ء۔ عنوان
"کیا حضرت مسیح کشمیر میں مدفون ہیں"۔ از جے۔ این سادھو۔
"ویک اینڈ" لندن۔ شمارہ جولائی ۱۹۷۳ء۔ عنوان
"کیا حضرت مسیحؑ نے ہندوستان کی طرف ہجرت کی" اور

"ہفت روزہ ہور زو" جرمنی میں دو مضامین شائع ہوئے، جن کے عنوان یہ تھے:
۱۔ "کیا حضرت مسیحؑ نے ہندوستان کی طرف ہجرت کی"
۲۔ "سرینگر میں قبر کے متعلق پوشیدہ راز"

ان دو مضامین لکھنے والوں میں سے ایک کو اس بارہ اس وقت معلومات حاصل ہوئیں جب وہ ۱۹۷۵ء کے موسم گرما میں اس علاقہ سے گذر رہا تھا۔

حیرانی کی بات ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد اور رُوسی سیاح نوٹووچ کی تمام تحقیقات پر اتنا لمبا عرصہ گذرنے اور ان مذکورہ مضامین کے شائع ہونے کے باوجود ابھی تک یہ مسائل

عام بحث و تمحیص کا موضوع نہیں بنے کہ حضرت مسیح نے جوانی میں ہندوستان کا سفر اختیار کیا، یہ کہ آپؑ صلیب کی موت سے بچ نکلے اور مشرق کی طرف دوسری دفعہ سفر کرنے کے بعد کشمیر میں طبعی طور پر فوت ہوئے اور جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے سرینگر میں مدفون ہیں۔ نیز ابھی تک عام لوگوں کو یہ علم ہی نہیں کہ ایسے امکانات موجود ہیں کہ ایسا ہی ہوا۔

ان اُمور کی تحقیق کے سلسلہ میں مَیں نے جو شکوک محسوس کیے ان کو دُور کرنے کا ایک ہی طریق تھا کہ مَیں خود کشمیر جا کر حقائق کو پرکھوں۔ اس بنا پر مَیں اور میری بیوی مرسڈیز، ایئر انڈیا کے ہوائی جہاز کے ذریعہ بمبئی کے لیے روانہ ہوئے۔ وہاں سے پھر بذریعہ ہوائی جہاز دہلی پہنچے، جہاں ہم نے ہندوستان اور خاص طور پر کشمیر کی تاریخ، آثار قدیمہ، تاریخی اور مذہبی روایات کے متعلق کتب اور نقشے حاصل کیے اور آخر کار دہلی سے سرینگر پہنچے۔ سفر کے اس آخری مرحلہ کے دوران ہم نے ہمالیہ کے نہایت شاندار نظارے دیکھے اور ہمیں کچھ ایسا محسوس ہونے لگا کہ کشمیر ہمارے لیے باقی کے ہندوستان سے کہیں انوکھی اور مختلف ایک اور ہی دنیا ہوگی۔

ہمارے اس خیال کی تصدیق اسی وقت ہو گئی جب ہم نے سری نگر کے چھوٹے سے ہوائی اڈہ پر قدم رکھا۔ چند دن وہاں اِدھر اُدھر گھومے پھرے اور کشمیر کے لوگوں سے گفتگو کی۔ ان میں سے اکثریت یہ چاہتی ہے کہ کشمیر کا الحاق اسلامی مملکت پاکستان سے ہو جائے۔ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کافی کشیدگی نظر آتی تھی، کیونکہ سرحد کے قریب پولیس کے دستے اکثر گشت کرتے نظر آتے تھے۔

اگرچہ اکثر کشمیری مسلمان ہیں (جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ بنی اسرائیل کی نسل سے ہیں) لیکن ان میں دوسرے مذاہب کے بارہ میں تعصب بالکل نہیں۔ مسلمان، یہودی، ہندو، بدھ اور عیسائی باہم رواداری اور احترام کے ساتھ مِل جُل کر رہتے ہیں۔ اور اپنی جگہ ان میں ہر ایک مذہبی جوش و خروش بھی رکھتا ہے۔ یہاں بھی مختلف طبقوں میں عوامی سطح پر اختیار اور اقتدار کی کشمکش ہے، لیکن اس کے باوجود لوگوں میں اتفاق و اتحاد موجود ہے۔

سرینگر میں شروع کے چند دن ہم نے بین الاقوامی شہرت کے ایک اعلیٰ ہوٹل میں قیام کیا۔ لیکن چونکہ ہم عام لوگوں سے قریبی تعلقات قائم کرنا اور ان کے متعلق جاننا چاہتے تھے، اس لیے ہم نے ہوٹل کو خیر باد کہا اور جھیل ناگن کے عین وسط میں ایک ہاؤس بوٹ میں منتقل ہو گئے۔ یہاں آ کر ہم نے ایسا محسوس کیا کہ جیسے ہم ایک خوشحال اور ترقی پذیر لوگوں کے

درمیان ہیں۔

جُوں جوں ہمارا قیام لمبا ہوتا گیا ہمیں یقین ہوتا گیا کہ ہمارا قیام واقعی کئی لحاظ سے نہایت مفید رہا ہم نے نہ صرف اس قبر کی زیارت کی جس میں کہتے ہیں کہ مسیحؑ مدفون ہیں بلکہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر بھی دیکھی۔ ہمارے علم میں بہت سی مستند قسم کی روایات بھی آئیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ دونوں یہاں موجود تھے اور بہت سی جگہیں ایسی ہیں جن کے نام ان کے ناموں پر رکھے گئے ہیں۔

اس کے علاوہ ہمیں پروفیسر حسنین سے بیش قیمت معلومات اور مدد حاصل ہوئی جو کشمیر کی قدیم تاریخی دستاویزات، لائبریریوں اور آثار قدیمہ کے ڈائریکٹر ہیں۔ آپ جاپان کی تین یونیورسٹیوں سے اعلیٰ ڈگریاں حاصل کر چکے ہیں۔ آپ آثار قدیمہ اور علم الانسان کے ماہر بھی ہیں اور تحقیق میں نہایت لگن اور اخلاص سے کام کرتے ہیں۔ ہر وقت اس سرزمین کے ماضی اور اس کے لوگوں کے متعلق مواد اور شواہد اکٹھا کرنے کے لیے چھان بین کرتے رہتے ہیں۔ جیسس ان ہیون آن ارتھ" (شائع شدہ ۱۹۵۲ء) کے مصنف خواجہ نذیر احمد کے بعد یہی وہ شخص ہے جس نے اس مسئلہ کا مکمل طور پر مطالعہ کیا اور اس سے متعلق شواہد و روایات کی چھان بین کی۔ ان سب باتوں کے مطالعہ کے بعد آدمی سنجیدگی سے سوچنے لگتا ہے کہ کیا واقعی حضرت عیسیٰ کشمیر کے دل میں مدفون ہیں۔

اپنے قیام کے دوران ہمیں غیر معمولی حیرت اور کیفیت کا احساس ہوا جب ہم نے صاحبزادہ بشارت تسلیم سے ہاتھ ملایا اور ان سے نہایت دوستانہ ماحول میں گفتگو ہوئی اور عین ممکن ہے کہ یہ شخص واقعی حضرت مسیحؑ کی براہِ راست نسل سے ہو۔

کتاب کے گزشتہ صفحات ایسی ہی گفتگو، تبادلہ خیالات اور ان بہت سے انٹرویو اور دیگر طریق سے رابطہ قائم کرنے کا نتیجہ ہیں جو ہم نے تحقیق کے دوران کیے۔ پھر اسی سلسلہ میں ہم نے ان مقامات کو خود جا کر دیکھا جن کا روایات میں ذکر ہے مثلاً یہ کہ حضرت موسیٰؑ کشمیر آئے، یہ کہ بنی اسرائیل کے دس قبائل کے کچھ لوگ یہاں آ کر آباد ہوئے اور یہ کہ حضرت مسیحؑ آخر کار یہاں آ کر آباد ہوئے اور وفات پائی اور سب سے حیرت انگیز نتیجہ جس پر ہم پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ نہ صرف بہت ہی کم باتوں میں یہاں کی تاریخی روایات اور متعلقہ بائیبل کی تفصیلات میں اختلاف پایا جاتا ہے، بلکہ کئی لحاظ سے یہ روایات بائیبل کے بیانات کی تشریح کرتی ہیں اور کئی ایک جگہ مزید معلومات

بھی فراہم کرتی ہیں۔ جو کچھ میں نے وہاں دیکھا یا پایا اب میں اس کے متعلق حلفی بیان دیتا ہوں:
میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ وصنہ بل، قبر یوز آصف (یا اس سے مراد حضرت مسیح بھی ہو سکتے ہیں) موجود ہے اور میں نے اس کی خود زیارت کی ہے۔
میں تصدیق کرتا ہوں کہ میں نے سنگ موسیٰ کو دیکھا اور اسے چھوا۔
میں اس بات کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ میں یوز مرگ یعنی حضرت مسیح کی وادی میں گیا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیح اس راہ سے کشمیر میں داخل ہوتے۔
میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے عیش مقام دیکھا یعنی جہاں حضرت مسیح نے آتے ہوئے آرام کیا۔ جہاں عصائے عیسیٰ یا موسیٰ محفوظ ہے۔
میں قسم کھاتا ہوں کہ جن لوگوں سے میں نے سوالات کیے انہوں نے نہایت ہی ایمانداری سے جوابات دیے۔ کچھ لوگوں کو یہ یقین تھا کہ جو لوگ یہاں آئے تھے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے اور دوسروں نے اسے یوز آصف اور موسیٰ یقین کیا۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے متولیوں نے حلفاً کہا کہ یہ ان کے اور ان کے آباؤ اجداد کی نگرانی میں گذشتہ ۲۵۰۰ سال سے ہے۔ سرِ راہ میں یہ بھی ذکر کرتا چلوں کہ یہ لوگ باہر کی دنیا سے اتنے کٹے ہوئے ہیں کہ انھیں ابھی تک یقین ہے کہ ہٹلر ایک عظیم بادشاہ تھا اور ان کو یہ علم ہی نہیں کہ وہ مدت ہوئی مر چکا ہے اور اس نے انہی کی نسل کے لوگوں پر انتہائی ظالمانہ تشدد کیا۔ جن لوگوں سے ہم نے ان کی تاریخ اور روایات کے متعلق گفتگو کی۔ ان میں بہت سے لوگوں میں باہر کی دنیا سے بے خبری نمایاں تھی اور یہ اس بات کو بھی ظاہر کرتا ہے کہ ایسے لوگوں کا حضرت عیسیٰؑ یا (یوز آصف) اور حضرت موسیٰؑ کے متعلق روایات اختراع کرنا کافی مشکل سی بات نظر آتی ہے۔ جبکہ یہ بھی نظر آ رہا ہے کہ ان لوگوں پر تاریخ اور بائیبل کی بیان کردہ تفصیلات کس خوبی سے پوری اترتی ہیں۔ درحقیقت ایسا نظر آتا ہے کہ ان روایات کی بنیاد چند ٹھوس حقائق پر ہے۔
یہ وہ نتائج ہیں جن پر پروفیسر حسنین سالہا سال کی محنت شاقہ اور تحقیق کے بعد پہنچے ہیں۔ کچھ باتوں میں عین ممکن ہے کہ وہ غلطی پر ہوں، لیکن دانستہ طور پر نہیں۔ بہرحال یہ بات یقینی ہے کہ ان کے جو بنیادی نظریات اس کتاب میں قائم کیے گئے ہیں ان پر انہیں پورا یقین ہے اور ان کی بنیاد مستحکم ہے۔
اسی طرح صاحبزادہ بشارت سلیم نے جو باتیں ہم سے بیان کیں اس میں کسی موقعہ پر بھی ہمیں یہ

شک نہیں گزرا کہ وہ کوئی بات سچائی سے ہٹ کر کر رہے ہوں۔ انہوں نے اپنی خاندانی روایات کا ذکر بھی کیا جو اُن تک اُن کے والد کے ذریعہ پہنچیں۔ انہیں ایسی بھی کوئی خواہش نہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسل سے ہونے پر کوئی شہرت حاصل کریں۔

کشمیر جانے کے بعد مختلف عبارات، تاریخی دستاویزات، مختلف قبروں کی زیارت، پروفیسر حسنین، صاحبزادہ بشارت سلیم اور بہت سے کشمیری لوگوں سے تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد میری ذاتی رائے یہ ہے کہ مسیحؑ کا دو دفعہ ہندوستان کا سفر اختیار کرنا، پھر ان کا فوت ہو کر دفن ہونا اور اسی طرح حضرت موسیٰؑ کا بھی اس ملک میں فوت ہو کر دفن ہونا۔ ان سب مفروضوں کی واقعیت کے کافی مضبوط امکانات موجود ہیں؛ البتہ حتمی ثبوت کی ابھی کمی ہے۔ اسی بنا پر میں سمجھتا ہوں کہ مذکورہ قبروں کو سائنسی تحقیقات کے لیے ضرور کھولنا چاہیے۔ مزید میں یہ بھی تجویز پیش کرتا ہوں کہ ان باتوں کی سائنسی طریق تحقیق کے ذریعہ سچائی کی تہ تک پہنچنے کے لیے چاہیے کہ بائیبل کے علماء، غیر زبانوں کے عالم، مستشرقین، مذہب اسلام کے مستند اہل علم اور قدیم تاریخ کے ماہرین کی عالمی سطح پر ایک کانگرس بلائی جائے اور اس طریق پر کسی غیر جانبدار اور حتمی نتیجہ پر پہنچا جائے۔

اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ جس قدر وسیع پیمانے پر ممکن ہو، پڑھے لکھے لوگوں تک ان باتوں کو پہنچایا جائے جنکا انہیں ابھی تک علم نہیں۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے، کیونکہ ان باتوں کا مسیحؑ سے متعلق معتقدات سے نہایت اہم اور گہرا تعلق ہے اور پھر مسیح ہی وہ مسلمہ شخصیت ہیں جو کہ عیسائیت کی مختلف صورتیں اختیار کرنے کے باوجود مغربی تہذیب و تمدن کے ارتقاء میں سب سے زیادہ مؤثر اور غالب عنصر ہیں۔

مسیحؑ صلیب پر فوت نہیں ہوئے اور نہ ہی وہ جسمانی طور آسمان کی طرف اٹھائے گئے، یہ امکانی باتیں اور اس سلسلہ میں جو کچھ کہا جا رہا ہے یا جن لوگوں کا علم ہے کہ یہ عین ممکنات میں سے ہے، یہ کتاب ان سب کا خلاصہ بیان کرتی ہے۔

فہرستِ کُتب

Abbot, S., *The Fourfold Gospels*, CUP, Cambridge 1917.
Abdul Qadir bin Qazi-ul Qazzat Wasil Ali Khan, *Hashmat-i-Kashmir*, MS. no.42, Asiatic Society of Bengal, Calcutta.
Allcroft, A. Hardian, *The Circle and the Cross*, Macmillan, London 1917.
Allen, Bernard M., *The Story behind the Gospels*, Methuen, London 1919.
Andrews, A., *Apochryphal Books of the Old and New Testaments*, Theological Translation Library, London 1906.
Ansault, Abate, *La Croix avant Jésus-Christ*, Paris, 1894.
Arbuthnot, James, *A Trip to Kashmir*, Calcutta 1900.
At-Tabri, Iman Abu Ja'far Muhammad, *Tafsir Ibn-i-Jarir at-Tabri*, Kubr-ul-Mar'a Press, Cairo.
Augstein, Rudolf, *Jesus, Menschensohn*, Gütersloh (Munich) and Bertelsmann (Vienna), 1972.
Avicenna, *Canon of Avicenna*, Newal Kishore Press, Lucknow.
Bacon, B.W., *The Four Gospels in Research and Debate*, New Haven, Conn., 1918.
Barber, Pierre, *A Doctor at Calvary*, New York 1953.
Bardtke, H., *Die Handschriftenfunde am Toten Meer*, Berlin 1952.
Bardtke, H., *Die Handschriftenfunde am Toten Meer: Die Sekte von Qumran*, Berlin 1958.
Bardtke, H., *Die Handschriftenfunde in der Wüste Juda*, Berlin 1962.
Basharat Ahmad, Dr, *Birth of Jesus*, Dar-ul-Kutab-i-Islamia, Lahore 1929.
Bauer, B., *Kritik der Evangelien*, 2 vols, Berlin 1850-1.
Baur, F.C., *Kritische Untersuchungen über die Kanonischen Evangelien*, Tübingen 1847.
Bell, Major A.W., *Tribes of Afghanistan*, Bell, London 1897.
Bellew, H.W., *The New Afghan Question, or Are the Afghans Israelites?*, Croddock, Simla 1880.
Bellew, H.W., *The Races of Afghanistan*, Thacker, Spink and Co., Calcutta.
Bengalee, Sufi Matiur Rahman, *The Tomb of Jesus*, Muslim Sunrise Press, Chicago 1946.
Berna, Kurt, *Jesus nicht am Kreuz gestorben*, Verlag Hans Naber, Stuttgart 1957.

Bernier, François, *Travels in the Moghul Empire*, trans. Archibald Constable, London 1891.

Beruni-Al, *Indian Travels*, trans. Dr Edward Sachan, 2 vols, Trubner, London 1888.

Betz, Otto, *Offenbarung und Schriftforschung der Qumrantexte*, Mohr, Tübingen 1960.

Bhavishya Mahapurana. *See* Sutta, Pandit.

Biblioteca Christiana Ante-Nicena, 25 vols, Clark, Edinburgh 1869.

Biscoe, Rev. C.E., *Kashmir in Sunlight and Shade*, London 1922.

Blinzler, Josef, *El proceso de Jesús*, Editorial Litúrgica Española, Barcelona 1959.

Bornkamm, C., *Jesus von Nazareth*, Stuttgart 1968.

Boys, Henry S., *Seven Hundred Miles in Kashmir*, Church Mission Congregation Press, Calcutta 1886.

Braun, H., *Gesammelte Studien zum Neuen Testament und seiner Umwelt*, Tübingen 1962.

Braun, H., *Qumran und das Neue Testament*, Tübingen 1966.

Braun, H., *Spätjüdisch-häretischer und frühchristlicher Radikalismus: Jesus von Nazareth und die essenische Qumrânsekte*, Tübingen 1957.

Bruce, Hon. Mrs C.G., *Kashmir*, Peeps at Many Lands series, Black, London 1911.

Bruhl, Rev. J.H., *The Lost Ten Tribes, Where are They?*, Operative Jewish Converts Institution Press, London 1893.

Buchanan, Rev. C., *Christian Researches of Asia*, Ogle, Edinburgh 1912.

Buhl, F., *Canon and Text of the New Testament*, trans. W.J.M. Macpherson, Clark, Edinburgh 1908.

Bultmann, R., "Das Verhältnis der unchristlichen Christus Botschaft zum historischen Jesus", *Exegetica*, Tubingen 1967.

Bultmann, R., *Die Geschichte der synoptischen Tradition*, Gottingen 1921.

Bultmann, R., *Jesus*, Tübingen 1926.

Burkitt, F.C., *The Earliest Sources for the Life of Jesus*, Constable, London 1910.

Burkitt, F.C., *The Four Gospels, A Study of Origins*, Macmillan, London 1924.

Burkitt, F.C., *The Gospel History and its Transmission*, Clark, Edinburgh 1906.

Cadoux, C.J., *The Life of Christ*, Pelican, London 1948.

Campenhausen, H. von, *Der Ablauf der Osterereignisse und das leere Grab*, Heidelberg 1958.

Clemen, C., *Der geschichtliche Jesus*, Giessen 1911.

Cole, Major H.H., Illustrations of Ancient Buildings in Kashmir, W.H. Allen, London 1869.

Conselmann, Hans, *Grundriss der Theologie des Neuen Testaments*, Munich 1968.

Cook, Edward, *The Holy Bible with Commentary*, John Murray, London 1899.

Cools, P.J. (ed.), *Geschichte und Religion des Alten Testaments*, Olten 1965.

The Crucifixion by an Eye-Witness, Austin, Los Angeles 1919.

Chadurah, Khwaja Haidar Malik, *Waqiat-i-Kashmir* or *Tarikh-i-Kashmir*, Muhammadi Press, Lahore.

Chandra Kak, Ram, *Ancient Monuments of Kashmir*, Sagar, New Delhi 1971.

Chatterjee, J.C., *Kashmir Saivism*, Srinagar 1911.

Chwolson, D., *Über die Frage, ob Jesus gelebt hat*, Leipsiz 1910.

Danielov, Jean, *Qumran und der Ursprung des Christentums*, Mainz 1959.

Dautzenberg, Gerhard, *Der Jesus-Report und die neutestamentliche Forschung*, Müller, Wurzburg 1970.

Davids, Mrs Rhys, *Buddhism, Williams, London 1912.*

Davids T.W. Rhys, Buddhism, its History and Literature, Patnam, New York and London 1896.

Denys, F. Ward, *One Summer in the Vale of Kashmir*, James William Bryan Press, Washington, DC, 1915.

Dibelius, M., *Die Formgeschichte des Evangeliums*, Tübingen 1919.

Docker, M.A., *If Jesus did not Die on the Cross: A Study in Evidence*, Roland Scott, London 1920.

Dodd, C.H., *Historical Tradition in the Fourth Gospel*, Cambridge 1963.

Doughty, Marion, *Through the Kashmir Valley*, Sands, London 1902.

Drew, A., *Le Mythus du Christ*, Paris 1926.

Drew, F., *The Jammoo and Kashmir Territories*, Edward Stanford, London 1875.

Brioton, Étienne, *Las Religiones del Antiguo Oriente*, Andorra 1958.

Dummelow, Rev. J.R., *Commentary on the Holy Bible*, Macmillan, London 1917.

Dupont, A., *Les Éceits esseniens découverts près de la Mer Morte*, Payot, Paris 1959.

Dutt, Jagdish Chandra, *The King of Kashmir*, Bose, Calcutta 1879.

Edersheim, Dr Alfred, *The Life and Times of Jesus*, London 1906.

Edkins, Joseph, *Chinese Buddhism*, Kegan Paul, French and Trubner, London 1890.

Edmunds, A.J. *Buddhist and Christian Gospels*, Innes, Philadelphia 1908-9.

Edmunds, A.J., *Gospel Parallels from Pali Texts*, Open Court Publishing, Chicago 1900-1.

Eissfeldt, Otto, *Einleitung in das Alte Testament*, Tübingen 1964.

Eifel, E.J., *Three Lectures on Buddhism,* Trubner, London 1873.
Eliot, Sir H.N., *History of India as Told by its Own Historians,* 8 vols, Thacker, Spink and Co., Calcutta 1849.
Emerson, E.R., *Indian Myths,* Trubner, London 1885.
Farquhar, Dr J.N., *The Apostle Thomas in South India,* Manchester University Press, Manchester 1927.
Farrar, Dean F.W., *The Life of Christ,* London, Paris and New York 1874.
Reilson, Col. W., *History of Afghanistan,* John Rylands Library Bulletin, 1927.
Ferrier, J.E., *History of the Afghans,* John Murray, London 1858.
Flusser, D., *Jesus in Selbstzeugnissen und Bilddokumenten,* Hamburg 1968.
Geiselman, J.R., *Jesus der Christus,* Stuttgart 1951.
Ghulam Ahmad, Hazrat Mirza, *Jesus in India,* Ahmadiyya Muslim Foreign Missions Department, Rabwah, Pakistan, 1962.
Ghulam Ahmad, Hazrat Mirza, *Masih Hindustan mein* (Urdu), Qadian, Pakistan, 1908.
Gillabert, Émile, *Paroles de Jésus et Pensée Orientale,* Éditions Métanoia, Marsanne, Montélimar, 1974.
Goddard, Dwight, *Was Jesus Influenced by Buddhism?,* Thetford, Vermont, 1927.
Goguel, M., *Jesus,* Paris 1950.
Gore, C., and Leighton, H., *A New Commentary on the Holy Scriptures, Including the Apocrypha,* Thornton and Butterworth, London 1928.
Gorion, Emanuel bin (ed.), *Die Sagen der Juden,* Frankfurt 1962.
Greg, William, *The Creed of Christendom,* Macmillan, London 1907.
Gregory, A., *The Canon and Text of the New Testament,* New York 1907.
Guignebert, C., *Le Monde juif vers le temps de Jésus,* Paris 1935.
Haag, H., *Bibel-Lexikon,* 1951, based on A. van den Born (ed.), *Bijbelsch Woordenboek,* 1941. Spanish edition (*Diccionario de la Biblia),* ed. S. de Ausejo, Barcelona 1967.
Haenchen, Ernst, *Der Weg Jesu,* Berlin 1968.
Haig, Sir T.W., *The Kingdom of Kashmir,* Cambridge University Press, Cambridge, 1928.
Hanna, William, *The Life of Christ,* American Tract Society, New York 1928.
Harnack, A. von, *Das Wesen des Christentums,* Munich 1964.
Headland, A.C., *The Miracles of the New Testament,* Longman Green, London 1914.
Hengel, Martin, *Die Zeloten,* Leiden 1961.
Hirn, Yrjo, *The Sacred Shrine,* Macmillan, London 1912.
Hodson, Geoffrey, *The Christ Life from Nativity to Ascension,* Theosophical Publishing House, Illinois.

Holtzmann, H.J., *Die synoptischen Evangelien*, Leipzig 1863.
Hugh, Rev. James, *History of Christians in India from the Commencement of the Christian Era*, Seeley and Burnside, London 1839.
Instinsky, H.U., *Das Jahr der Geburt Jesu*, Munich 1957.
Jeremias, J., *Studien zur neutestamentlichen Theologie und Zeitgeschichte*, Göttingen 1966.
Jeremias, J., *Jerusalem der Zeit Jesu*, Göttingen 1958.
Jeremias, J., *Die Gleichnisse Jesu*, Göttingen 1970.
John, Sir William, "Journey to Kashmir", in *Asiatic Researches*, Baptist Mission Press, Calcutta 1895.
Kahler, Martin, *Der sogennante historische Jesus und der geschichtliche, biblische Christus*, Wolf, Munich 1969.
Kak, R.B. Pandit Ram Chand, *Ancient Monuments of Kashmir*, India Society, London 1933.
Kamal-ud-Din, Al-Haxj Hazrat Khwaja, *A Running Commentary on the Holy Qur'an*, MM and L Trust, Woking, Surrey, 1932.
Kamal-ud-Din, Al-Haj Hazrat Khwaja, *Islam and Christianity*, MM and L Trust, Woking, Surrey, 1921.
Kamal-ud-Din, Al-Haj Hazrat Khwaja, *The Sources of Christianity*, MM and L Trust, Woking, Surrey, 1922.
Kasemann, E., *Exegetische Versuche und Besinnung*, Göttingen 1964.
Kaul, Pandit Anand, *The Geography of Jammu and Kashmir*, Thacker, Spink and Co., Calcutta 1913.
Kaul, Pandit Anand, *The Kashmir Pandits*, Thacker, Spink and Co., Calcutta 1924.
Kaul, Pandit Ghawasha, A Short History of Kashmir, Srinagar 1929.
Kautsky, K., *Der Ursprung des Christentums*, Stuttgart 1908.
Kautzsch, E. (ed.), *Die Apokryphen und Pseudepigraphen des Alten Testaments*, Tübingen 1900.
Kehimkar, H.S., *Bani Israel of India*, Dayag Press, Tel Aviv 1937.
Keller, W., *Und die Bibel hat doch recht*, Düsseldorf 1955.
Kennett, R.H., *Ancient Hebrew Social Life and Customs as indicated in Law, Narrative and Metaphor*, Oxford University Press, Oxford 1933.
Kenyon, Sir Frederick, *Our Bible and the Ancient Manuscripts, being a History of the Texts and Translations*, Eyre and Spottiswoode, London 1939.
Khaniyari, Mufti Ghulam Mohammed Nabi, *Wajeez-ut-Tawarikh*, Research Library, Srinagar.
Klausner, Joseph, *Jesus of Nazareth*, Allen and Unwin, London 1925.
Klijn, A.F.J., *The Acts of Thomas*, Brill, Leiden 1962.
Kroll, G., *Auf den Spuren Jesu*, Leipzig 1963.
Kung, Hans, *Christ sein*, Peper, Munich 1974.

Lake, Kirsopp, *The Historical Evidence for the Resurrection of Jesus Christ*, London 1907.
Lauenstein, Diether, *Der Messias*, Stuttgart 1971.
Lawrence, Sir Walter, *The Valley of Kashmir*, Froude, London 1895.
Lehmann, Johannes, *Jesus-Report. Protokoll einer Verfälschung*, Düsseldorf 1970.
Leipoldt, J., *Hat Jesus gelebt?*, Leipzig 1920.
Lewis, Spencer H., *Mystical Life of Jesus*, Supreme Grand Lodge of AMORC, San Jose, California, 1929.
Loewenthal, Rev. I., *Some Persian Inscriptions Found in Kashmir*, Asiatic Society of Bengal, Calcutta 1865.
Lohse, E., *Die Texte aus Qumran*, Kösel 1964.
Lord, Rev. James Henry, *The Jews in India and the Far East*, SPCK, Bombay 1907.
McCasland, S.V., *The Resurrection of Jesus*, Nelson, London and New York 1932.
McNeil, A.H., *The Gospel According to St Matthew*, Macmillan, London 1927.
Maier, Johann, *Die Texte vom Toten Meer*, Munich 1960.
Malleson, Col. G.B., *The History of Afghanistan from the Earliest Period to the Outbreak of the War of 1878*, W.H. Allen, London 1879.
Marx and Francke (Moravian mission doctors), "Tagebuch", MS. preserved in Leh, Ladakh.
Marxen, Willi, *Die Auferstehung Jesu als historisches und theologisches Problem*, Gütersloh, Munich 1965.
Marxen Willi, *Einleitung in das Neue Testament*, Gütersloh, Munich 1964.
Meffert, F., *Die geschichtliche Existenz Christi*, Münchengladbach 1920.
Merrick, Lady Henrietta S., *In the World's Attic*, Putnam, London 1931.
Meyer, Dr Arnold, *Jesus or Paul*, trans. F.A. Wilkinson, Harper, London 1909.
Milligan, William, *The Resurrection of our Lord*, Macmillan, London 1905.
Mir Khwand, *Rauzat-us-Safa*, trans. E. Rehatsek, Arbuthnot, MRAS, London 1891.
Moore, George, *The Lost Tribes*, Longman Green, London 1861.
Mozundar, A.K., *Hindu History* (3000 BC to 1200 AD), Dacca 1917.
Muhammad Ali, Maulvi, *History of the Prophets*, Ahmadiyya Anjuman Isha'at-i-Islam, Lahore 1945.
Muhammad Ali, Maulvi, *The Religion of Islam, 'Ahmadiyya Anjuman Isha'at-i-Islam, Lahore 1936.*
Mumtaz Ahmad Faruqui, Al-Haj, The Crumbling of the Cross, Ahmadiyya Anjuman Isha'at-i-Islam, Lahore 1973.

Nazir Ahmad, Al-Haj Khwaja, *Jesus in Heaven on Earth,* Azeez Manzil, Lahore 1973.
Nazir Ahmad, Al-Haj Khwaja, *Jesus in Heaven on Earth,* Azeez Manzil, Lahore 1973.
Noerlinger, Henry S., *Moses und Ägypten,* Heidelberg 1957.

Notovich, Nicholas, *The Unknown Life of Jesus Christ,* trans. from French edition by Heyina Loranger, Rand McNally, Chicago 1894.

Oldenberg, H., *Buddha,* trans. from German, Williams and Norgate, London and Edinburgh 1883.

Otto, Rudolf, *Reich Gottes und Menschensohn,* Munich 1940.

Palmer, E.H., *The Qur'an,* Sacred Books of the East series, Clarendon Press, Oxford 1880.

Pande, K.C., *Abhinavagupta: An Historical and Philosophical Study,* Benares 1936.

Pannenberg, Wolfhart, *Grundzüge der Christologie,* Gütersloh, Munich 1964.

de Quincey, D., *The Apocryphal and Legendary Life of Christ,* Nathan, New York 1903.

Ragg, Lonsdale and Laura, *The Gospel of Barnabas,* Clarendon Press, Oxford 1907.

Ramsay, Sir William, *Was Christ born in Bethlehem?,* Hodder and Stoughton, London 1905.

Rangacharya, V., *History of Pre-Musulman India,* Indian Publishing House, Madras 1937.

Rapson, Prof. E.J., *Ancient India,* Cambridge University Press, Cambridge 1911.

Ray, Dr Sunil Chandra, *Early History and Culture of Kashmir,* Munshiram Manoharlal, New Delhi 1969.

Ray, H.C., *The Dynastic History of Northern India,* 2 vols, Thacker, Spink and Co., Calcutta 1931.

Reicke, B., *Newtestamentliche Zeitgeschichte,* Göttingen 1965.

Rengstorf, K.H., *Die Auferstehung Jesu,* Berlin 1955.

Reidmann, A., *Die Wahrheit des Christentums,* Freiburg im Breisgau 1951.

Rietmüller, O., *Woher wissen wir, dass Jesus gelebt hat?,* Stuttgart 1922.

Ristow, H., and Matthiae, K., *Der geschichtliche Jesus und der Kerygmatische Christus,* Berlin 1961.

Robinson, Forbes, *The Coptic Apocryphal Gospels,* Methuen, London 1902.

Robinson, J.M., *The New Quest of the Historical Jesus,* London 1959.

Rockhill, W.W., *The Life of Buddha,* Trubner, London.

Rodgers, Robert William, *A History of Ancient India,* Scribner, London 1929.

Rose, Rt Hon. Sir George H., *The Afghans: The Ten Tribes and the Kings of the East,* Operative Jewish Converts Institution Press, London 1852.

Schelke, K.H., "Die Gemeinde von Qumran und die Kirche des Neuen Testaments", *Die Welt der Bibel,* Düsseldorf 1960.
Schelke, K.H., *Die Passion Jesu in der Verkundigüng des Neuen Testaments.* Heidelberg 1949.
Schick, E., *Formgeschichte und Synoptiker Exegese,* Münster 1940.
Schmidt, K.L., *Der Rahmen der Geschichte Jesu,* Berlin 1919.
Scholem, Gershom, *Von der mystischen Gestalt der Gottheit,* Frnakfurt 1973.
Schubert, Kurt, *Der historische Jesus und der Christus unseres Glaubens,* Vienna and Freiburg 1962.
Schubert, Kurt, *Vom Messias zum Christus,* Vienna and Freiburg 1964.
Schurer, Emil, *Geschichte des jüdischen Volker im Zeitalter Jesu Christi,* Leipsiz 1901-9.
Schwegler, T., *Die Biblische Urgeschichte,* Munich 1962.
Schweitzer, A., *Das Messianitäts-und Leidensgeheimnis,* Tübingen 1901.
Schweitzer, A., *Geschichte der Leben-Jesu-Forschung,* Munich 1966.
Schweitzer, E., *Jesus Christus im vielfaltigen Zeugnis des Neuen Testaments,* Munich and Hamburg 1968.
Seydel, Professor, *Das Evangelium von Jesu in Seinem Verhältnissen zu Buddhas Sage und Buddhas Lehre,* Leipzig 1880.
Shams, J.D., *Where did Jesus Die?.* Baker and Witt, London 1945.
Simon, M., *Les Sectes juives au temps de Jésus,* Paris 1960.
Smith, G.B., *A Guide to the Study of the Christian Religion,* Chicago University Press, Chicago 1922.
Smith, R.G., *Early Relations between India and Iran,* London 1937.
Smith, V.A., *The Early History of India,* Clarendon Press, Oxford 1904.
Stanton, W.H., *The Gospels as Historical Documents,* Cambridge University Press, Cambridge 1927.
Stauffer, Ethelbert, *Jesus, Gestalt and Geschichte,* Bern 1957.
Stein, M.A. (translator), *Kalhana's Chronicle of the Kings of Kashmir,* 2 vols, London 1900.

Strauss, D.F., *Das Leben Jesu, kritich bearbeitet,* Tübingen 1835-6.
Stroud, William, *On the Physical Cause of Death of Christ,* Hamilton and Adams, London 1905.
Sufi, G.M.D., *Kashmir, being a History of Kashmir from the Earliest Times,* 2 vols, Light and Life Publishers, New Delhi and Jammu 1974.
Sumi, Tokan D., Oki, M. and Hassnain, F.M., *Ladakh, the Moonland,* Light and Life Publishers, New Delhi, Jammu and Rothak 1975.

Sutta, Pandit, *Bhavishya Mahapurana* (MS. in State Library, Srinagar), Venkate Shvaria Press, Bombay 1917

Thomas, L'Évangile selon, Éditions Métanoia, Marsanne, Montélimar, 1975.

Thomas, P., *Epics, Myths and Legends of India*, 13th ed., Taraporevala, Bombay 1973.

Tola, Fernando, *Doctrinas secretas de la India Upanishads*, Barral, Barcelona 1973.

Trocmé, Étienne, *Jésus de Nazareth vu par les témoins de so vie*, Delaclaux et Nestlé, Neuchâtel 1971.

Tsing, I., *A Record of the Buddhist Religion Practised in India and the Malay Archipelago*, trans. J. Takakusu, Clarendon Press, Oxford 1896.

Verus, S.E., *Vergleichende Übersichtder vier Evangelien*, 1897.

Vogtle, A., *Exegetische Erwägungen über das Wissen und Selbstbewusstsein Jesu*, Freiburg im Breisgau 1964.

Waddell, L.A., *Lhasa and its Mysteries*, Sanskaran Prakashak, New Delhi 1975.

Warechaner, J., *The Historical Life of Christ*, London 1927.

Weiss, J., *Die Predigt Jesu vom Reiche Gottes, Göttingen 1892-1900.*

Weigall, Arthur, *Paganism in our Christianity*, Hutchinson, London 1916.

Whitney, Dean, *The Resurrection of the Lord*, Hamilton and Adams, London 1906.

Williams, Sir Monier, *Buddhism*, Macmillan, New York 1889.

Wilson, H.H., "History of Kashmir", in *Asiatic Researches*, Baptist Mission Press, Calcutta 1841.

Wright, Dudley, *Studies in Islam and Christianity*, MM and L Trust, Woking, Surrey 1943.

Wright, William, *The Apocryphal Acts of the Apostles*, Williams and Norgate, London and Edinburgh 1871.

Wuenshel, Edward, *Self Portrait of Christ*, New York 1954.

Yasin, Mohammed, *Mysteries of Kashmir*, Kesar, Srinagar 1972.

Younghusband, Sir Francis, *Kashmir*, Black, London 1909.

Zahrnt, Heinz, *Es Begann mit Jesus von Nazareth*, Güterslon, Munich 1969.

Zimmermann, H., *Jesus Christus: Geschichte und Verkündigung*, Stuttgart 1973.

Zockler, Otto (ed.), *Die Apokryphen des Alten Testaments*, Munich 1891.

Zimmern, H., *Zum Streit um die "Christus Mythe"*, Berlin 1910.

Zockler, Otto (ed.), *Die Apokryphen des Alten Testaments*, Munich 1891.